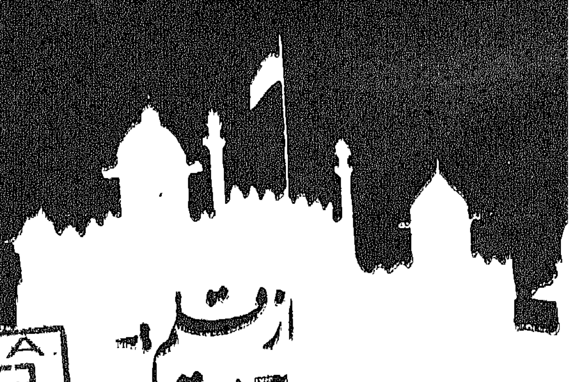
قلعۂ معلیٰ کی جھلکیاں



از قلم
عرش تیموری

قلعہ معلّٰی کی جھلکیاں

تحریر کردہ

جناب عرش تیموری

ناشر

مکتبہ جہاں نما اُردو بازار جامع مسجد دہلی

مطبوعہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی

طبع اول ایکہزار

قیمت ۸ر

عبدالسلام

انتساب

حضرت ظفرؒ کی پاک روح کے نام

میں اپنے والد ماجد حضرت لبیبؔ مدظلہ
کا بہت مشکور ہوں کیونکہ انہوں نے
چند ایسے نایاب اور دلچسپ واقعات
سنائے جن کی وجہ سے میں یہ چھوٹی
سی کتاب پیش کر سکا۔

مقام دہلی

۲۳ مئی سنہ ۱۹۳۷ء

تعارف

از جناب یوسف بخاری، دہلوی مصنف "موتی"

غدر کے متعلق بہت سی تاریخیں اور افسانے لکھے جا چکے ہیں لیکن ان میں جو شہرت اور مقبولیت خواجہ حسن نظامی کے "غدر دہلی کے افسانوں" اور مولانا راشد الخیری مرحوم کی تصنیف "وداع ظفر" کو حاصل ہوئی وہ اور کتابوں کو نہ ہو سکی۔ وجہ یہ ہے کہ ان حضرات نے جہاں تک ہو سکا اصل واقعات کو پیش نظر رکھا۔ اور لکھتے وقت اس طرح لکھا گویا آپ بچشم خود ان واقعات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

قلعہ معلیٰ کی جھلکیوں میں سے ایک جھلک رسالہ ساقی دہلی میں شائع ہو کر ناظرین سے کافی خراج تحسین حاصل کر چکی ہے ؎

طور پر حضرت موسیٰ جو گرے غش کھا کر
جلوۂ یار پکارا ابھی دیکھا کیا ہے

صاحب دل اور اہل درد بھلا اس ایک جھلک سے کب سیر ہو سکتے تھے لہٰذا عرش صاحب کو ارباب ذوق کے پے درپے تقاضوں سے مجبور ہو کر تمام جھلکیاں پیش کرنی پڑیں۔ انہیں قلعہ معلیٰ کی جھلکیاں کہنا تو غلط ہے اصل میں عرش صاحب تیموری کی بیدار اور سچی روح کی ایک جھلک ہے جس میں سوز ہی سوز ہے اور نرا درد ہی درد،

اور ویسے بھی یہ قلعہ معلی کی محض جھلکیاں ہی نہیں بلکہ اصل حالات وواقعات کا ایک صحیح اور خوشنما مرقع ہیں۔ اس آئینہ میں آپ قلعہ معلی کی تمام شاہی عمارات کو دیکھیں گے اور اُن کی چاردیواری میں بادشاہ، شہزادے اور شہزادیوں کو اپنی روزمرہ کی زندگی بسر کرتے پائیں گے۔ حکومت کے انداز شجاعت اور دلیری کے کارنامے، عدل وانصاف کے نقشے، شاہی معاشرت اور طرز تمدن اور قلعہ کے تمام رسم ورواج کی جیتی جاگتی تصویریں آپ کی نگاہ پر پھرنے لگیں گی۔

عرشؔ تیموری اُس شاہی خاندان سے ہیں جس کا اثر میرے قلب ودماغ کے ہر رگ وریشہ نے قبول کیا ہے۔ جب کبھی اس عہد شاہی کا خیال آتا ہے تو دلِ ناصبور ایک آہ سرد کھینچ کر رہ جاتا ہے وہ زمانہ اب کہاں؟

عرشؔ صاحب ایک انشاپرداز اور شاعر کی حیثیت سے نیائے ادب میں متعارف ہوچکے ہیں۔ اُن کا پورا نام مرزا احمد سلیم شاہ عرشؔ ابن مرزا نظام شاہ لبیبؔ (رکن دارالترجمہ نظام حیدرآباد دکن) ابن مرزا احمد سلطان خاور۔ ابن مرزا مظفر بخت ابن شاہزادہ مرزا شاہ رخ بہادر ابن شہنشاہ ہند حضرت ابوظفر بہادر شاہ ثانی ہے۔ ۱۹۲۱ء میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے اور وہیں رہتے بھی ہیں۔ ابھی صرف سولہ برس کے ہیں عنفوان شباب ہے لیکن

شاعری بھی کرتے ہیں اور خوب کرتے ہیں۔ ان کے یہ اشعار مجھے بہت
پسند ہیں ؎

کوئی اس خاک سے خورشید خاور بن کے نکلے گا
کوئی پھر اس سکوت ستاں سے محشر بن کے نکلے گا

کچھ عجب نہیں کہ نوجوانان ہند کے حق میں ان کی پیشین گوئی سچ ہی ثابت ہو خدا کرے کہ ہو،

قصر دل آراستہ جس کے لئے
آہ کی ٹھنڈی ہوا جس کے لئے
آنسوؤں کا ست لڑا جس کے لئے
آرزو کا خوں بہا جس کے لئے
دیکھئے وہ ساحرہ کب آئیگی

ایک رنگیں خیال کی صورت — تیرا آئینہ دار ہوں ساقی
عرش ہوں یا ہوں فرش پا انداز — بارے تجھ پر نثار ہوں ساقی

عنقریب اپنے کلام کا ایک مجموعہ خورشید خاور کے نام سے شائع کرنیکا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور شعرا کے بدیہے اور حاضر جوابیوں کو "جواہر" کے نام سے سنہ ۱۹۳۳ء اور تیموری شعراء کا تذکرہ سنہ ۱۹۳۴ء اور زندہ قوم کے اصول سنہ ۱۹۳۵ء اور معاشرتی و اصلاحی خطوط کا ایک مجموعہ سنہ ۱۹۳۶ء میں لکھ چکے ہیں یہ سب کتابیں عنقریب شائع ہونگی۔ ملک کے وقیع رسائل میں مضامین بھی دیتے رہتے

ہیں جس سے ان کی فن کارانہ طبیعت جوش اور تیز گامی کا پتہ چلتا ہے
دھن کے پکّے اور آزاد رائے ہیں۔

عرشؔ تیموری کا یہ مختصر سا تعارف اور ان کی اس حسین اور رنگین نگارش پر یہ ایک اجمالی سا تبصرہ اس وقعت و محبت کا آئینہ دار نہیں ہو سکتا۔ جس کی یہ کتاب مستحق ہے ورنہ حقیقتاً غایتِ ذوق کا تقاضا تو یہ تھا کہ عرشؔ کے جلوؤں کو دل بھر کر دیکھا جاتا اور اسکے ایک ایک جلوے اور ایک ایک جھلک کے معنوی حُسن پر نگاہ کیجاتی بہرکیف یار زندہ صحبت باقی کے وعدے پر اسی قدر کافی سمجھتا ہوں۔ فقط

راقم
سید یوسف بخاری۔ دہلوی
گلی امام جامع مسجد دہلی
مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۳۷ء

۱

۱۸۵۶ء

قلعۂ معلّیٰ کی جھلکیاں

آپ کے سامنے اس زمانے کا ایک دھندلا سا مرقع پیش کر رہا ہوں جبکہ مغلیہ خاندان کی شمع ٹمٹما رہی تھی اور فرنگیوں کا آفتاب اقبال ایک نئے انقلاب کی خبر دیتا ہوا بڑی شان و شوکت کے ساتھ طلوع ہو رہا تھا۔

جیلانی صاحب جو بغداد کے پیرزادوں سے تھے۔ نقل بیان کرتے ہیں کہ :-

"میں نواب ممتاز محل کے ہاں جو اکبر شاہ ثانی کی بڑی بیوی تھیں مہمان تھا۔ ان کی بہو یعنی مرزا کامرون کی والدہ کچھ علیل ہوئیں۔ حکیم رکن الدین خان نے جلاب تجویز کیا۔ بیگم صاحب نے جلاب سے انکار فرمایا اور یہ کہا کہ :-

"جلاب کا قدح مجھ سے نہ پیا جائے گا"

حکیم صاحب نے کہا "حضور! قدح نہیں ہوگا"

بیگم صاحب نے کہا۔ "اگر قدح نہ ہوگا تو املتاس کی بُو ہو گی"

حکیم صاحب نے کہا "نہیں املتاس کی بُو بھی نہ ہوگی"

پھر فرمایا "گاڑھا تو ضرور ہوگا"۔

حکیم صاحب نے عرض کی "جی نہیں بالکل رقیق اور مقطر ہوگا اور ہر طرح کی لطافت وخوشبو سے معطر ہوگا جس سے آپ کی طبیعت کو فرحت ہوگی۔ لیکن اثر املتاس ہی کا ہوگا۔ اگر آپ نوش فرمائیں تو میں خود بنا کر لایا کروں۔ مگر فی جلاب پانسو روپے مجھے عنایت فرمائیں"۔

بیگم صاحب نے منظور کیا۔ چنانچہ حکیم صاحب نے پانچ جلاب دیئے۔ بعد صحت بیگم صاحب نے خوش ہوکر مقرّرہ قیمت کے علاوہ شال دوشالے اور مشروع کے تھان وغیرہ عنایت فرمائے۔

حقّہ

قلعہ میں مرد وعورت سب کو حقّہ کا بڑا شوق تھا۔ خصوصاً شاہزادیاں حقّہ بہت پیتی تھیں۔

حقّے چھ قسم کے ہوتے تھے اور چلم کو کٹوری کہتے تھے۔

گلوری

قلعہ میں گلوری عموماً ڈیڑھ پان کی بنتی تھی اور اس میں

سونے، چاندی یا لوہے کی کیل لگائی جاتی تھی اور کبھی لونگ بھی۔

گلوری کے اقسام

۱۔ سموسہ گلوری  ۲۔ لقمی گلوری  ۳۔ تعویذی گلوری  ۴۔ بیڑا  ۔

سموسہ گلوری، یہ تکھونٹی ہوتی تھی۔ ۲۔ لقمی گلوری، یہ چوکھونٹی ہوتی تھی۔ لیکن اوپر سے گمٹی دار یا نوکدار۔ ۳۔ تعویذی گلوری یہ بالکل مربع یا مستطیل ہوتی تھی۔ ۴۔ بیڑا۔ یہ گاؤدم، گول اور لنبوترا ہوتا تھا۔

ان قسموں کے علاوہ پان اس ترکیب سے کھایا جاتا تھا کہ پورے پان پر کتھا چونا لگا دیتے تھے۔ اور جب کھانے کی ضرورت ہوتی تھی تو ضرورت کے موافق ٹکڑا کاٹ کر کھا لیتے تھے مگر کمال یہ ہوتا تھا کہ کتھا اور چونا ہر جگہ مساوی ہوتا تھا۔ جاڑے کے زمانے میں ایک خاص قسم کا پان بنایا جاتا تھا۔ اس میں کتھا چونا اس تناسب اور انداز سے لگایا جاتا تھا کہ کھاتے ہی بدن میں گرمی دوڑ جاتی تھی۔ اور بعض وقت پسینہ آجاتا تھا۔ یہ پان میرے والد حضرت مرزا نظام شاہ صاحب لبیب مدظلہ نے بھی کھایا ہے چنانچہ ان کی زبانی اس کی کیفیت سنیے :۔

" یہ پان میں نے ایک رشتہ کی دادی صادق زمانی بیگم صاحبہ کے ہاتھ سے بنوا کر کھایا ہے۔ یہ حضور بہادر شاہ بادشاہ کی پوتی اور ولی عہد اوّل مرزا دارا بخت بہادر کی دختر تھیں۔ خدا مغفرت کرے۔ حیرت ہے کہ اس پان میں سوائے کتھے چونے کے کچھ بھی نہ تھا مگر مارے گرمی کے حلق میں کانٹے پڑ گئے اور آخر کار پسینہ آنے لگا۔"

اسی طرح گرمی اور برسات کے پان بھی الگ تھے۔ مصالحہ تو ہر موسم کا ایک ہی تھا لیکن کچھ کمی بیشی ہو جاتی تھی۔

شاہی وفات

شاہی وفات کے وقت اس زمانے میں یہ دستور تھا کہ جب بادشاہ گذر جاتا تو لوگ صاف طور پر نہ کہتے تھے بلکہ یوں کہتے تھے کہ :-

"کپّا لڑھک گیا"

بادشاہ کی موت کا صاف صاف اظہار کرنا معیوب سمجھا جاتا تھا کیونکہ ایک طرف مردہ بادشاہ کی تجہیز و تکفین کا انتظام ہوتا تھا اور دوسری طرف ولی عہد کے محل میں شادیانے بجتے تھے اور جشن منایا جاتا تھا۔

قلعہ میں رسم پردہ

بروایت شہزادہ مرزا محمد شجاع صاحب، حضرت لبیب مدظلہ ناقل ہیں کہ پہلے شہزادوں میں رسم پردہ تھی۔ اور سوائے محرمان شرعی کے بیگمات اور کسی کے سامنے نہ ہوتی تھیں۔ حالت یہ تھی کہ شہزادوں کے آپس میں لاگ ڈانٹ رہتی تھی۔ اور ایک دوسرے کی تذلیل و تخریب کے درپے رہتا تھا۔ خصوصاً امراء سادات کے زمانے میں بادشاہ گردی کی وجہ سے شہزادوں میں نفاق اور عناد بہت بڑھ گیا تھا۔ اس زمانے میں امرائے دربار کے غلبے اور باہمی سازشی طغیانیوں کی وجہ سے ہر شہزادے کے دماغ میں بادشاہی کا خیال پیدا ہو گیا تھا۔

شہزادے عموماً یا تو نظر بند رہتے تھے یا ان کی نقل و حرکت پر سخت نگرانی رہتی تھی۔ اس لئے کسی امیر کو شہزادوں سے کسی معاملے میں گفتگو کرنے کا موقع نہ تھا۔ لیکن ہر ایک امیر دوسرے امیروں کو زک دینے کے لئے دو ایک شہزادوں کو اپنا امیدوار رکھتا تھا کہ جب داؤں چلے فوراً اپنے کاٹ کے پتلے کو تخت نشین کر دے۔ شاگرد پیشوں، پیش خدمتوں کے ذریعے سے شہزادوں اور امیروں میں معاملات طے ہوتے تھے۔ اور بالمشافہ اظہار کی

یہ ترکیب تھی کہ جب کسی شہزادے کی سواری نکلتی یا قلعہ میں کسی امیر کا آمنا سامنا ہو جاتا تو اگر اس نے حضور کہہ کر خطاب کر لیا تو شہزادے کو اپنے بادشاہ ہونے کا علم ہو جاتا تھا۔ اس وجہ سے امرائے دربار کی الگ الگ ٹکڑیاں ہو گئی تھیں۔ شہزادوں کی جدا جدا ٹولیاں تھیں جو ایک دوسرے کی دشمن جان ومال تھیں۔ اسی بادشاہ گردی کے زمانے میں بعض شہزادوں نے اپنے بادشاہ ہوتے ہی دوسرے مدعیان سلطنت کو قتل کروا ڈالا یا طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کر دیا یا غالب امراء کے ایما سے ان شہزادوں کو مروا ڈالا جو دوسرے امیروں سے سازش رکھتے تھے۔ اس بدامنی نے شہزادوں میں موروثی نفاق اور عناد پیدا کر دیا تھا ان غالب ومغلوب شہزادوں کی اولادیں ایک دوسرے پر طرح طرح سے حربہ کرتی رہتی تھیں۔ جب شاہ عالم بادشاہ ہوئے تو انہوں نے سب کو جمع کر کے آپس میں محبت وارتباط سے رہنے کی ہدایت کی اور اسی دن سے تمام شہزادوں میں رسم پردہ توڑ دی گئی تاکہ بیگمات کے باہمی میل جول کے سبب سے موجودہ نفسانیت اور منافرت دور ہو۔ اس وقت سے آج تک خاندان تیموریہ میں رسم پردہ نہیں ہے۔

نوروز

ہولی کے نو دن کے نوروز کی عید منائی جاتی تھی۔ اس دن صبح کو سبزوار مرغی کے انڈے لڑائے جاتے تھے۔ سبزوار مرغیوں کا جوڑا تین تین سو روپے کا ہوتا تھا۔ اور دو تین ماہ میں چھ سات انڈے دیتی تھی۔ یہ انڈا بہت سخت و کرخت اور چھوٹا ہوتا تھا۔ اور اس میں چنے کی دال کے برابر ایک نوک نکلی ہوتی تھی اس کو نیش کہتے تھے۔ لڑانے کا طریقہ یہ ہوتا تھا کہ ایک شخص انڈے کا نیش باہر نکال کر دونوں ہاتھوں میں چھپا لیتا تھا۔ اور بیٹھ جاتا تھا۔ دوسرا شخص اپنا سبزوار کا انڈا لے کر اس کے نیش سے دو ہاتھوں میں چھپے ہوئے انڈے پر ہلکے ہاتھ سے مارتا تھا۔ لیکن اس ضرب کی آواز دُور تک جاتی تھی جب انڈے کی آواز میں فرق آجاتا تھا تو مجمع میں سے "وہ مارا! "وہ مارا!" کی صدائیں بلند ہوتیں اور جس کے انڈے میں بال آجاتا وہ ہار جاتا تھا۔ اس پر ہزاروں روپے کی ہار جیت بھی ہوتی تھی لیکن سبزوار کے انڈے صرف شہزادوں اور اہل دولت ہی کو میسر آتے تھے۔ اور وہی کھیلتے بھی تھے۔ لیکن عوام الناس مختلف انڈوں سے کھیلتے تھے۔ نوروز کے دن شہر میں بھی چاروں طرف

انڈے لڑاتے تھے۔ اور خصوصاً جامع مسجد کی سیڑھیوں پر عجیب بہار آتی تھی۔ سبز دار مرغیوں کے انڈے نقشین اور خوبصورت صندوقچیوں میں رکھے جاتے تھے۔ اور ان صندوقچیوں میں رائی یا کوئی اور دوا رکھی جاتی تھی۔

انڈے لڑانے کا بھی ایک ہنر تھا۔ اہل شہر میں سے بیشتر اپنے ہاتھوں کو سال بھر سدھاتے تھے۔ تاکہ اس ہنر کے ذریعے قلعہ میں آکر کچھ روٹی کمائیں۔

نوروز کی شام کو دسترخوان ہوتا تھا۔ اس پر ہر قسم کا کھانا مٹھائیاں اور میوہ جات چنے جاتے اور اس پر حضرت علیؓ کی نیاز ہوتی تھی۔ یہ نیاز سوائے وہابیوں کے سب کرتے تھے۔

آخری چہارشنبہ

آخری چہارشنبہ کے دن مردوں کو جو رشتے میں چھوٹے ہوتے تھے انگوٹھی اور چھلّے دئے جاتے تھے۔ اور عورتوں کو مختلف قیمت کے دوپٹے دئے جاتے تھے۔ بادشاہ کے ہاں سے شہزادوں اور خاص خاص غلاموں کو عنایت ہوتے تھے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک سیدانی بڑھیا جو کثیر العیال

تھی اور علاقہ شہزادہ مرزا شاہرخ بہادر سے گیارہ روپے مہینہ پاتی تھی۔ اس کی تنخواہ میں پانچ روپے کی تخفیف ہوگئی۔ بیچاری سیدانی میاں کالے صاحب کے ہاں بھاگی ہوئی آئیں۔ میاں نے اُن سے وعدہ کرلیا اور جب قلعہ آئے تو ان کی عرضی بادشاہ کو اپنے ہاتھ سے دی۔ بادشاہ نے سروقد تعظیم دیکر عرضی لی۔ آنکھ سے لگا چوما سر پر رکھا اور کھول کر دیکھا۔

عرضی پر شرح لکھی کہ مرزا شاہرخ فوراً سیدانی کی پوری تنخواہ جاری کردیں۔ اور زیر باقی ادا کردیں۔ مرزا شاہ رخ نے خبر نہ لی۔ دو تین ماہ کے بعد وہ سیدانی پھر میاں کالے کے پاس جاکر رونے پیٹنے لگی۔ میاں کالے نے دوبارہ بادشاہ سے مل کر زبانی کہا۔ بادشاہ نے اسی وقت مرزا شاہ رخ کو بلاکر کہا کہ "اماں! میں نے تم کو حکم دیا تھا کہ اس مائی سیدانی کی تنخواہ جاری کردو۔ تم نے اب تک تعمیل نہیں کی۔"

مرزا شاہ رخ نے دست بستہ عرض کی:۔

"بہت خوب اب تعمیل ہوجائے گی"

مگر مرزا شاہ رخ کے بڑے دور دورے تھے۔ انھوں نے پھر بھی خبر نہ لی۔ سیدانی نے میاں کالے صاحب سے پھر شکایت کی۔

بس اب میاں کالے صاحب بادشاہ سے ناراض ہوگئے

اور قلعہ کا آنا موقوف ہو گیا پورے مہینے بادشاہ کو خیال نہ آیا۔ لیکن جب میاں کی تنخواہ گئی تو انہوں نے پھیر دی۔ بادشاہ کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ اسی وقت سیدانی کی پوری تنخواہ لے کر مرزا فتح الملک کے ساتھ کوئی عصر کے وقت میاں کالے صاحب کے ہاں حاضر ہوئے۔ میاں جانماز پر بیٹھے وظیفہ پڑھ رہے تھے اگرچہ اس وقت کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔ لیکن بادشاہ کی وجہ سے بلا لیا۔ کچھ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد کسی بات کے جواب میں میاں نے مرزا فتح الملک سے کہا کہ:۔

"تمہارے باپ تو جھوٹے ہیں"

اپنے مرشد زادے کی بات کی تصدیق کرنے کے لئے فرماتے ہیں۔ "پیر و مرشد آج میری سواری ہنومان کے پاس ٹھہری تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص مچھّر کی کھال کی مرزائی پہنے کھڑا ہے۔" یہ سنتے ہی میاں ہنس دئے اور وظیفہ پڑھتے پڑھتے مرزا فتح الملک کی طرف دیکھ کر بادشاہ کی طرف انگلی سے اشارہ کیا کہ دیکھو یہ سفید جھوٹ۔

الغرض میاں بادشاہ سے خوش ہو گئے اور وہ ملال رفع ہو گیا۔

ٹڑھ موی خانم

ایک بادشاہی طائفہ بھی تھا جو بہت منہ چڑھا تھا۔ اس طائفہ کا کمال یہ تھا کہ بادشاہ جب کوئی غزل یا ٹھمری طبع زاد فرماتے اسی وقت یہ طائفہ یاد کر کے سُنا دیتا تھا۔ اس طائفہ میں ٹڑھ موی خانم بھی تھیں۔

ٹڑھ موی خانم اس لئے مشہور ہو گئی تھیں کہ پان میں چھالیہ بہت کھاتی تھیں۔ اور اس کو ایک طرف کلّے میں دبا لیتی تھیں۔ اس وجہ سے ایک طرف کا کلّہ پھولا ہوا اور منہ ٹیڑھا معلوم ہوتا تھا۔ یہ بہت ذہین عورت تھی، فن موسیقی میں بڑی ماہر تھی۔ اور گانے بجانے میں بڑا حاضر دماغ رکھتی تھی۔ اسی کے دم سے بادشاہی طائفہ کو چار چاند لگے ہوئے تھے۔

مرزا قویش

مرزا قویش میں سلطنت کی قابلیت نہ تھی، ستار خوب بجاتے تھے اور طبلہ کے بھی اُستاد تھے۔ اور بھنگ کی وصت رکھتے تھے۔

بندوق کا بھی بہت شوق تھا اور بڑے شکاری تھے۔

جب مقبرہ ہمایوں سے گرفتاریاں شروع ہوئیں تو سب سے پہلے ہڈسن کرنیل فوج لے مرزا قویش، مرزا عبداللہ اور مرزا عبداللہ ابن مرزا شاہ رخ کو بادشاہ کے پاس سے نیچے اُتارا اور مقبرہ سے باہر لاکر کھڑا کر دیا۔ یہاں اس کی تمام فوج پرا جمائے کھڑی تھی چونکہ ہڈسن اس وقت گھبرایا ہوا تھا۔

اس نے ان تینوں سے کہا کہ :۔

"ول آپ یہاں ٹھہریگا"

اور خود پھر مقبرہ میں واپس چلا گیا۔

فوج کے رسالدار کو ان نوجوانوں پر رحم آیا اس نے پوچھا "تم لوگ یہاں کیوں کھڑے ہو" انہوں نے جواب دیا کہ "صاحب کھڑا کر گئے ہیں" اس نے آنکھیں نکال کر کہا کہ ارے اپنی جان پہ رحم کرو۔ اب یہ آئے گا تو تم کو زندہ نہ رکھے گا۔ جدھر منہ اُٹھے نکل جاؤ۔ اور دیکھو جہاں تک بھاگا جائے بھاگنا خبردار دم نہ لینا۔ وہ رسالدار خود منہ پھیر کر کھڑا ہو گیا اور یہ تینوں الگ الگ بھاگ نکلے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہڈسن آیا، دیکھا کہ قیدی غائب ہیں۔ رسالدار سے پوچھا کہ "وہ تین لوگ کہاں گئے"۔ رسالدار نے انجانی سے پوچھا "کون لوگ" ہڈسن نے کہا وہ شہزادے جو یہاں کھڑے تھے۔ اس نے کہا "معلوم نہیں کدھر چلے گئے"۔

یہ سُنتے ہی ہڈسن نے اپنا مُنہ پیٹ لیا اور کہا کہ "او رسالدار بڑا غضب ہوا وہ بادشاہ کے بیٹے تھے" رسالدار نے کہا "حضور آپ ہمارے سپرد نہیں کر گئے تھے ہم ذمہ دار نہیں"

مرزا قویش وہاں سے سیدھے نظام الدین اپنے بہنوئی حافظ مرزا محمود شاہ صاحب ابن مرزا بابر کے پاس آئے اور کہا کہ میں ہڈسن کی حراست سے بھاگ آیا ہوں انہوں نے کہا کہ بھائی بھاگو اور نکل جاؤ۔ وہاں سے چار ابرو کا صفایا کر کے سر پہ رومال بندھا ہوا اور تل جانگئے کے ایک لنگوٹی باندھ کے رسول شاہی فقیروں کی وضع بنائے اودے پور پہونچے اور ایک ٹھاکر سے ملے جو مہاراجہ اودے پور کے عزیزوں میں سے تھا۔ مہاراجہ صاحب کا ایک خواجہ سرا دراصل دلّی کا تھا مگر مہاراجہ کے پاس نوکر ہو گیا تھا۔ اس نے اور ٹھاکر نے مہاراجہ صاحب سے تقریب کی کہ ایک فقیر آئے ہیں اگر ان کو کچھ یہاں سے مقرر ہو جائے تو آپ کی جان و مال کو دعا دیتے ہوئے پڑے رہیں گے۔

مہاراجہ صاحب نے دو روپے روز ان کے مقرر کر دئے۔ اور وہ سندھیوں کے بیڑے کے کسی مکان میں رہتے تھے۔ اور ترکیب ان کی یہ تھی کہ ایک دو ماہ کے واسطے اِدھر اُدھر کہیں چلے جاتے تھے اور پھر وہیں آجاتے تھے۔

غدر کے بعد تیس بتیس برس تک زندہ رہے۔ وہیں زندگی

بسرکی اور میاں صاحب مشہور تھے۔

ہرسن صاحب نے مرزا قویش کی بہت تلاش کی۔ چپہ چپہ ڈھونڈوا ڈالا مگر کہیں پتہ نہ چلا۔ اور گورنمنٹ نے ان کی گرفتاری کا اشتہار بھی جاری کیا تھا اور گرفتاری کا بیش قرار انعام تھا اس لالچ پر چند لوگ مرزا احمد شاہ ابن مرزا ابو سعید (بھیجے از اولاد حضرت شاہ عالم ثانی) اور اشرف خان رسالدار شاہی اور چند لوگ ان کی گرفتاری کے لئے کئی دفعہ اودے پور گئے اور کوتوال شہر کے ذریعہ سے اسی مکان پر پہونچے جہاں مرزا قویش بھیس بدلے زندگی بسر کرتے تھے۔ مگر کبھی ان لوگوں کے ہاتھ نہ آئے۔ آخر کار مرزا قویش کا انتقال اودے پور ہی میں ہوا۔

مرزا عبد اللہ ریاست ٹونک میں بہت پریشانی کے عالم میں رہے۔ نواب ٹونک کے بھائی بند کچھ سلوک کر دیا کرتے تھے۔ ان کا حال کچھ مدت کے بعد انگریزوں کو معلوم ہو گیا تھا۔ مگر یہ کم حوصلہ تھا سرکار کو کوئی خدشہ نہیں تھا اس لئے سرکاری افسر ان کی گرفتاری سے طرح دے گئے۔

مرزا عبد اللہ ابن مرزا شاہ رخ بھی بحال تباہ فقیر بن کر پھرتے رہے اور اسی حالت میں مر گئے۔

مجرمین کے ساتھ سلوک

قلعہ میں یہ دستور تھا کہ جو مجرم بھاگ کر آجاتے تھے بادشاہ ان کو بچا لیتے تھے۔ مگر خونی کو حوالۂ فوجداری کر دیا جاتا تھا۔

اوزبک اور لُر

مغلوں کے دو خاندانوں اوزبک اور لُر سے خاندان تیموریہ کو سخت نفرت تھی۔ رفتہ رفتہ ان کو بُرے معنوں میں استعمال کیا جانے لگا۔ چنانچہ اب اوزبک بھی بیوقوف اور لُر بھی احمق مستعمل ہے۔

دھی کے کونڈے

شہزادہ مرزا حیدر شکوہ (ابن شہزادہ مرزا سلیمان شکوہ ابن شاہ عالم ثانی) خاصہ تناول فرما رہے تھے کہ ایک امیر انکے نیاز مندوں میں سے حاضر ہوئے۔ صاحب عالم و عالمیان نے اشارہ فرمایا کہ "آؤ بھئی کھانا کھالو"۔ انہوں نے عرض کی کہ:۔

"پیرومرشد! میرا دل تو اس وقت دھی کو چاہ رہا ہے"۔
فرمایا کہ "آؤ تم کھانا تو شروع کرو"۔

اتنا صاحب عالم کے منہ سے نکلنا تھا کہ بیں خدمت گار دھی لینے کے لئے بازار لپک گئے۔ اور دھی کے کونڈے آنے شروع ہوئے۔ تقریباً سو کونڈے آئے تھے کہ امیر نے پریشان ہوکر دھی لانے کی ممانعت کر دی۔

اس زمانے میں شہزادے اور امرار شہر جس چیز کو دسترخوان پر طلب کرتے تھے وہ بڑی مقدار میں آیا کرتی تھی۔

شاہی مدارات

بروایت خواجہ اشرف علی مرزا محمد شجاع ناقل ہیں کہ حکیم احسن الدولہ دبیر الملک کے ہاں کوئی شادی کی تقریب تھی اور محفل رقص وسرود منعقد تھی۔ تمام شہر کے امرار ومشاہیر ومعززین جمع تھے، پھول، پان، عطر اور الائچی گوٹا وغیرہ کی مدارات ہو رہی تھی۔ (شادی کے موقعوں پر اہل قلعہ اور اہل شہر کا دستور تھا کہ اس قسم کی مدارات کرتے تھے)

دفعتہً حکیم صاحب کے خدمت گار نے دست بستہ جھک کر کچھ عرض کیا، معاً حکیم صاحب مع اپنے خاندان کے کمر باندھ کر اور

دستار سر پر رکھ کر تیز گامی کے ساتھ محفل سے باہر جلو خانے
میں آئے۔ میں نے دیکھا کہ ایک غریب کم معاش شہزادے
صاحب پالکی میں سوار ہیں اور بادشاہی جلوس ان کے ہمراہ
ہے۔ حکیم صاحب نے جلو خانے کے باہر سے استقبال کیا اور
چند قدم پالکی کے ساتھ آئے۔ جب جلو خانے میں پالکی رکھی
گئی تو حکیم صاحب مع اپنے خاندان کے نہایت ادب اور فروتنی
کے ساتھ رسم سلام و مجرا بجا لائے۔ شہزادے صاحب نے ان
سب کے سلام کے جواب میں صرف ایک مرتبہ سر پر ہاتھ رکھ دیا۔
آگے آگے یہ اور پیچھے پیچھے حکیم صاحب محفل میں آئے۔ شہزادے
صاحب محفل کے صدر میں مسند پر متمکن ہوئے، تمام عمائدین شہر
نے تعظیم دی اور آداب بجا لائے۔ اس کے بعد حکیم صاحب شہزادے
صاحب کے سامنے دست بستہ مؤدب جھکے ہوئے ہو بیٹھے اور
دستور کے موافق پان، پھول، گوٹا اور ہار پیش کئے۔ شہزادے
صاحب چند گھنٹوں تک بڑی متانت اور اعزاز کے ساتھ تشریف
فرما رہے اور بعد ازاں برخواست کی۔ اہل محفل تعظیماً سرو قد
کھڑے ہو گئے۔ حکیم صاحب نے پالکی تک لا کر چھوڑا اور سوار ہونے
کے بعد سب نے صف بستہ ہو کر مجرا ادا کیا۔

حضرت بہادر شاہ کی اولاد

فرزندان

(۱) مرزا محمد دارا بخت بہادر میران شاہ ولیعہد اوّل۔
(۲) مرزا محمد شاہ رخ بہادر۔ وزیر اعظم و مختار عام۔
(۳) مرزا کیومرث بہادر (ولیعہد دوم بقول مرزا غیاث الدین مصنف مثنوی باغ شاداب)
(۴) مرزا سلطان فتح الملک بہادر (ولی عہد سوم)
(۵) مرزا محمد قویش بہادر (جو زمانہ غدر میں مستحق ولیعہدی تھے)
(۶) مرزا ظہیر الدین عرف مرزا مغل بہادر (۷) مرزا فرخندہ شاہ بہادر (۸) مرزا خضر سلطان بہادر (۹) مرزا بختاور شاہ بہادر (۱۰) مرزا سہراب ہندی بہادر (۱۱) مرزا ابو نصر بہادر (۱۲) مرزا مہدی بہادر (۱۳) مرزا عبداللہ بہادر (۱۴) مرزا کوچک سلطان بہادر (۱۵) مرزا شاہ عباس بہادر (۱۶) مرزا جواں بخت بہادر۔

دختران

(۱) کاشفہ سلطان بیگم (۲) ننھی بیگم (۳) آغا بیگم (۴)

مبارک النسا بیگم (۵) براتی بیگم (۶) شبیہ بیگم (۷) کھوٹی بیگم (۸) دبیر الزمانی بیگم (۹) حسن زمانی بیگم (۱۰) نواب بیگم (۱۱) حاجی بیگم (۱۲) کلثوم زمانی بیگم (۱۳) حبیا بیگم (۱۴) اورنگ زمانی بیگم (۱۵) پیاری بیگم (۱۶) بستی بیگم (۱۷) ننھی بیگم (خورد) (۱۸) حمید الزمانی بیگم (۱۹) ثالث زمانی بیگم (۲۰) قطبی بیگم (۲۱) بلاقن بیگم (۲۲) مریم زمانی بیگم (۲۳) رابعہ بیگم (۲۴) حاتم زمانی بیگم (۲۵) قریشیہ سلطان بیگم (۲۶) سلطان زمانی بیگم (۲۷) خیر النسا بیگم (۲۸) ستارہ سلطان بیگم (۲۹) افسر زمانی بیگم (یہ دو لڑکیاں توام پیدا ہوئیں) (۳۰) تہنیت آرا بیگم (۳۱) خاتون زمانی بیگم۔

دختران شاہ کو تنخواہیں بعد غدر

دختران شاہ میں سے جو بعد غدر زندہ رہیں ان کو فی کس دس روپے ماہوار وظیفہ مقرر ہوا تھا۔

فرزندان شاہ کا انجام

جس وقت مرزا مغل، مرزا خضر سلطان اور مرزا ابوبکر رتھ میں سوار ہو کر میجر ہڈسن کے ہمراہ مقبرہ ہمایوں سے شہر کی جانب

روانہ ہوئے تو رتھ بان ڈر کے مارے پیشاب کے بہانے بھاگ گیا۔ اور رتھ بان کی بجائے مرزا مغل بہادر کا خواص حسین مرزا نامی رتھ ہکانے کے لئے جوئے پر بیٹھا۔

بقول مرزا انتقام الدین مصنف مظفر نامہ خواص مذکور کا بیان ہے کہ :-

"جب رتھ جیل خانہ کے قریب پہونچی تو میجر ہڈسن نے رتھ تھموا کر پوچھا :-

"کمانڈرانچیف کون ہے؟"

"میں ہوں" مرزا مغل نے کہا۔

ہڈسن نے ان کو رتھ سے اُتارا اور اپنے ہاتھ سے گولی ماردی۔ اور پھر رتھ کے پاس آکر پوچھا۔

"کرنل کون ہے؟"

"میں ہوں" مرزا خضر سلطان نے کہا۔

ان کو بھی رتھ سے اتارا اور کھڑا کرکے اپنے ہاتھ سے گولی ماردی۔ ان دونوں شاہزادوں کی لاشیں خاک پر پھڑک رہی تھیں اور خون کے فوارے جاری تھے۔ مرزا ابوبکر اپنے دونوں چچاؤں کی حالت کرب وجانکنی نہ دیکھ سکے اور مارے جوش کے للکارنے لگے۔ میجر ہڈسن اس کے بعد مرزا ابوبکر کے پاس آیا۔ ان کو اتار کر لے گیا اور گولی ماری۔ پہلی ہاتھ میں لگی، اور دوسری گولی

ران میں - آخر کار تیسری گولی میں گر پڑے - جب لاشیں سرد ہوگئیں تو ایک سوار مقتولوں کا سر لیکر چل دیا - میں رتھ میں بہ عالم بدحواسی بیٹھا ہوا سوچ رہا تھا کہ اب میری باری ہے - لیکن مجھ سے کچھ نہ کہا اور ہیجر ہڈسن معہ ہمراہی سواروں کے رتھ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا - جب فوج آگے بڑھ گئی تو میں رتھ سے اترا تینوں لاشوں کو ٹٹولا - مرزا مغل کے بازو پر ایک ٹکا بندھا ہوا تھا وہ میں کھول لایا - کچھ عرصے بعد مرزا مغل کی والدہ شرافت محل صاحبہ کی خدمت میں پیش کیا - مگر انہوں نے نہ لیا اور دیکھ کر پھیر دیا -

---

بروایت شہزادہ مرزا محمد شجاع بہادر حضرت لبیب مدظلہ ناقل ہیں کہ :-

" پیرزادہ حسن عسکری صاحب سے بہادر شاہ بادشاہ کی ایک بیٹی نواب بیگم کا نکاح ہوا تھا - غدر سے دو برس پہلے نواب بیگم کا انتقال ہوگیا - حسن عسکری صاحب کو غدر میں پھانسی دی گئی -

قلعہ کے دہلی دروازے کے سامنے ایک نہر تھی - اس کے دونوں طرف پتھر کی سڑک تھی - اس کو پٹڑی کہتے تھے وہاں مختلف بازار اور بزازہ تھا - اس کے آگے ایک ترپولیا تھا اسکے دونوں دروازوں سے تو پٹڑیاں گذرتی تھیں اور بیچ میں سے نہر جاتی تھی، اس ترپولئے کے اوپر مرزا مغل صاحب کا مکان تھا

اس کے بعد ایک بہت بڑا چوک تھا اور چاروں طرف دوہرے تہرے بڑے بڑے کمرے تھے۔ اس میں بادشاہی خاص بردار اور فوجی افسر رہتے تھے۔

قاعدہ تھا کہ جب زنانہ سواریاں قلعہ میں آتی تھیں تو بازار اور بزازہ ختم ہونے کے بعد دروازہ پر پولیا پساڈ بیگنیاں مردانہ لباس پہنے ہوئے آتیں اور گاڑیوں کے پردے اٹھا کر دیکھتی تھیں کہ کون کون بیگمات ہیں اور اگر غیر معروف عورتیں ہیں تو کہاں اور کس کے پاس آئی ہیں۔

زنانہ خدمت گاریں

(۱) **چیٹھی نویسنی** لکھنے پڑھنے کا کام اور حکم احکام لکھتی تھی یہ ملازمہ زنانہ محل میں ہوتی تھی۔ اور بادشاہ اور بیگمات کے حکم کی تعمیل کرتی تھی۔

(۲) **اڑدا بیگنیاں** لاہوری دروازہ، دہلی دروازہ اور قلعہ پر ایک ایک عورت مردانہ لباس کیانی اچکن اور انگرکھے وغیرہ پہنے ہوئے بیٹھی رہتی تھی۔ ان کا کام زنانہ سواریوں کی تنقیح تھی۔

(۳) خیر صلّا والیاں بادشاہ کی نوکریں ہر شہزادے کے پاس خیریت لینے آتی تھیں

جب یہ نوکریں ڈیوڑھی میں داخل ہوتیں تو پہلے ہی آچا، ہیا اور داروغنوں سے محل کی پوری خیر صلّا وخیروعافیت اور جو کچھ واقعات گذرے ہوں سب پوچھ لیتی تھیں اور پھر اندر آکر بیگم محل کو مجرا کیا اور کہا۔

"اللہ رسول کی امان ! بیوی حضور نے آپ کی اور بال بچوں کی خیریت منگائی ہے۔"

اور اس کے ساتھ ہی خوشامد برآمد کی باتیں بنانی شروع کردیں، اگر بیگم صاحب کو متوجہ دیکھا تو بیٹھ گئیں کچھ اِدھر اُدھر کی باتیں چھیڑ کر اپنا دکھڑا لے بیٹھیں اور بیگم سے روپے دو روپے یا بچے کا کرتہ ٹوپی لیکر اٹھیں اور اگر متوجہ نہ دیکھا تو سیدھی رخصت۔

(۴) آچا چھوکریوں میں سب چھوکریوں کو تعلیم دینے والی کو آچا کہتے تھے۔

(۵) باریدارنیاں وہ پیش خدمتیں جو باری باری سے خدمت پر متعین ومامور ہوتی تھیں۔

(۶) پہرے دارنیاں رات کی خدمت گاریں جو دو دو چار چار کرکے پہرے چوکی اور

چٹی پر متعین ہوتی تھیں۔

باری کا خاصہ۔ شہزادوں اور امرائے دربار کے پاس کسی کے ہاں روز اور کسی کے ہاں ایک دن بیچ اور دو دن بیچ بھی کھانا جایا کرتا تھا۔ اس کھانے کو باری کا خاصہ کہتے تھے۔

باوَلا۔ ایک بڑی پانی کی پکھال جو ڈیوڑھی کے باہر پہرے میں لٹکی رہتی تھی۔ اور نیچے ایک سپائی پڑی رہتی تھی اس میں پانی بھرا رہتا تھا۔ سقنیاں اس میں سے مشکیں بھر بھر کر زنانہ محل میں لیجاتی تھیں۔

بھولا شہزادہ

حضرت اکبر شاہ ثانی اپنے ولیعہد مرزا ابو ظفر سے ناراض تھے۔ بادشاہ اپنے فرزندوں میں سے مرزا بابر، مرزا سلیم اور مرزا جہانگیر کو بہت چاہتے تھے۔ چنانچہ آپ نے مرزا سلیم کی ولیعہدی کی تحریک کی اور سرکار کمپنی سے کوشاں تھے کہ مرزا سلیم ولیعہد تسلیم کئے جائیں۔ لیکن چونکہ مرزا ابو ظفر فرزند اکبر تھے اس لئے حسب قاعدہ خاندانی بادشاہ کی حسب مرضی سرکار کمپنی سے منظوری نہیں ہوسکتی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمپنی سے جواب صاف ملا اور بادشاہ سلامت کو ولیعہد سے اور کاوش پیدا ہوئی۔ مرزا سلیم کا انتقال اکبر شاہ ثانی کی زندگی ہی میں ہوگیا۔ مگر بادشاہ نے تمام کارخانے اور خدمات قلعہ مرزا فیروز شاہ کے حوالے کئے جو مرزا سلیم کے صاحبزادے تھے اور جب بادشاہ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو تمام شاہی کنجیاں اپنے پوتے کے حوالہ کیں اور فرمایا کہ "یہ کسی کو نہ دیجیو جب تک اپنی سبتیا نہ ہوجائے" روایت ہے کہ مرزا فیروز شاہ کی آنکھوں میں اندھیرا چھا گیا۔ جب انہوں نے دادا کی موت کا سانحہ دیکھا کیوں کہ اب وقت تھا کہ بادشاہی اپنے قبضہ سے نکل کر

مرزا ابوظفر کے محل میں منتقل ہو رہی تھی مرزا فیروز شاہ نے اسی وقت سے جوگیا لباس پہن جنگل کی راہ لی - اور کنجیاں اپنے قبضے میں کیں اور ہر دم اپنے دادا کے دھیان میں اور اسی غم والم میں بسر کرنے لگے -

جب ابوظفر بادشاہ ہوئے تو کنجیوں کی ڈھنڈیا پڑی شاہی ملازموں نے عرض کی کہ مرزا فیروز شاہ بہادر کو عنایت ہو چکی ہیں بادشاہ وقت نے کنجیاں طلب کیں، بہت کچھ خاطر و خوشامد کی اور توقعات آئندہ دلائیں - اُمرا وزرا اور بڑے بڑے اہلکاروں کو شہزادے کے پاس کنجیوں کے لئے روانہ کیا لیکن موصوف نے نہ تو کوئی عذر ظاہر کیا اور نہ کنجیاں دیں -

آخر کار صاحب رزیڈنٹ بہادر اور صاحب کمشنر بہادر گئے اور بہت عجز و الحاح اور بڑے بڑے مراتب کا وعدہ کر کے بالمشافہ کنجیاں طلب کیں - مگر وہاں ایک نہیں ہزار نہیں، ایک نہ مانی - آخر کار اُنہوں نے کہا کہ اگر آپ وہ کنجیاں دیدیں تو ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ جس قدر معاش اور کارخانجات آپ کے والد کے قبضے میں تھے وہ سب بدستور آپ کے قبضہ میں رہیں گے اور علاوہ اس کے بہت کچھ انعام و اکرام بادشاہ سے ملیگا مگر وہاں نہیں کے سوا کوئی جواب نہ تھا -

چند روز بعد ایک شاہی مردھا آیا، پرانا گرتیج، شاہزادوں کا

مزاج داں اور بچپن کا گودیوں میں کھلانے والا تھا۔ اُس نے آتے ہی شہزادے کی چٹ چٹ بلائیں لیں اور دُعاؤں پہ دُعائیں دینی شروع کیں اور آنکھوں سے چلّوؤں آنسو بہانے شروع کئے، اب کیا تھا، یہ تو پہلے ہی بھرے بیٹھے تھے، زار وقطار رونے لگے۔ مرد ھے نے دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ کھینچکر مرزا اسلیم اور اکبر شاہ ثانی کا نوحہ شروع کیا اور آخر میں ٹیپ کا بند تھا کہ "ہائے میاں! اس بے وفا دنیا میں رہنے کا کوئی مزا نہیں۔ اس بیسوا سے تو جی نہ لگانا ہی بھلا ہے۔

حضور! قربان جاؤں! غلام کن آنکھوں سے فقیرانہ لباس دیکھے یہ دن تو آپ کے کھیل کود کے تھے، اگر حضور کے ابّا جان زندہ ہوتے تو یہ اُلٹ پھیر کیوں ہوتی۔ اجی یہ ساری سنّیا جنّت نصیب کے ساتھ ہوتی۔ مگر اس احکم الحاکمین کے حکم میں جائے دم زدن نہیں جو چاہتا ہے کرتا ہے۔"

ان رقّت آمیز باتوں نے مرزا فیروز شاہ کے دل پر گہرا اثر کیا۔ ایک قدیم خانہ زاد کو ہمدرد پاکر سارا کنجیوں کا قصہ بیان کردیا، اور صلاح پوچھی کہ اب کیا کروں؟ بادشاہ میرے پیچھے پڑے ہوتے ہیں۔ اور سارے انگریز بھی اُنہیں کی گا رہے ہیں۔ اس گرگ باراں دیدہ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ حضور! جہاں پناہ نے شاہی پر لات ماردی تو کُنجیاں کس شمار میں ہیں۔

ع دہن سگ بہ لقمہ دوختہ بہ

آپ کنجیاں دیدیجئے اور اپنے آرام سے یاد اللہ کیجئے پھر دیکھئے کہ خزانۂ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ بھولا شہزادہ اس فریب کو نہ سمجھا اور کنجیاں مردھے کے حوالہ کیں اور خود یادِ الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ دینے کو کنجیاں تو دیدیں لیکن دوسرے دن کیا سنتے ہیں کہ قلعہ میں چاروں طرف دہ مارا وہ مارا کی صدائیں بلند ہیں۔ اب شہزادے کو سجھائی دیا کہ سونے کی چڑیا ہاتھ سے نکل گئی اور سوائے کفِ افسوس ملنے کے کوئی چارہ نہیں۔ الغرض مرزا فیروز شاہ بہادر ہمیشہ کے لئے فقیر ہو گئے اور حضرت بہادر شاہ کی مقرر کردہ تنخواہ کبھی نہ لی جو کچھ نقد جواہرات اکبر شاہ ثانی نے خود دے تھے اسی پر گزران کرتے رہے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد بھی فقیرانہ زندگی بسر کرتے رہے۔ ان کو منطق، فلسفہ اور ریاضیات خوب ازبر تھے۔ تصوّف کا بہت چسکا تھا بڑے وضعدار، لطیفہ سنج، خوبصورت اور اعلیٰ طبیعت کے شہزادے تھے۔ امارت کے زمانے میں اور غربت میں بھی کبھی دسترخوان پر اکیلے نہیں بیٹھے۔ ہمیشہ خاندان یا غیر خاندان کے دو چار شخص جو لائقِ پرورش تھے۔ ساتھ لگے رہتے تھے۔ حضرت مولانا غوث علی شاہ قلندر پانی پتی اور سائیں کافر شاہ کے دیکھنے والوں سے تھے۔ مذہب سے بڑے آزاد تھے۔ تصوّف کی چاٹ میں سادھوؤں بیراگیوں سے

بہت ملتے تھے۔ اور اُن کے آگے زانوئے ادب تہ کرتے تھے
ایک بار عیسائی بھی ہوئے لیکن پھر تائب ہوئے اور پختہ مسلمان
ہو گئے۔

غدر کے بعد اپنی جائداد اور معاش کے متعلق حکّام انگریزی
کے پاس متعدد درخواستیں پیش کیں اور ثابت کیا کہ بوجہ خصومت
بادشاہ مجھ کو اس غدر سے کوئی تعلق نہیں۔ لیکن کوئی درخواست
پذیرانہ ہوئی۔ آخر کار اسی کوشش میں لندن پہونچے۔ وہاں
سے جواب ملا کہ آپ وائسرائے کے پاس درخواست پیش کریں۔
اس پر لحاظ کیا جائے گا۔ مگر یہاں وہ وقت شہزادوں پر تنگ
تھا۔ گورنمنٹ مسلمانوں ہی سے کھٹک رہی تھی تو بھلا ایک
شہزادے کے حقوق پر کیا غور کرتی۔

ان بھولے بھالے شہزادوں میں غضب کی آن بان تھی
اگرچہ شہزادوں کی ضد مشہور تھی۔ مگر ایسی کہ یار لوگ تن کہا
کرتے تھے۔ کنجیوں والا واقعہ آپ نے پڑھ لیا اور دیکھ لیا
کہ اس زمانے کے بڑے بوڑھے بھی کیسے صاف اور سیدھے
ہوتے تھے، اس کے ساتھ ہی راضی بہ رضا اور ایسے کہ کسی وقت
متفکر اور پریشان نظر نہ آئیں۔ مرزا صاحب کو جب گورنمنٹ سے
مایوسی ہو گئی تو اس خیال کو بالکل ترک کر دیا۔ اور گورنمنٹ کی
کبھی شکایت نہ کی۔

بھولے شہزادے کا جب وقت قریب آیا تو مرزا اقبال شاہ
ابن مرزا الٰہی بخش کو جنہیں بیٹا کر لیا تھا بُلا کر درگاہ حضرت نظام الدینؒ
میں دفن کرنے کی اور دفن پر اپنا روپیہ نہ صرف کرنے کی
ہدایت کی۔ مرزا اقبال شاہ نے صندوق وغیرہ دیکھے تو سوائے
کفن کے کچھ نہ نکلا۔ اب تو یہ پریشان ہوئے، الغرض اسی کشمکش
و پنج میں تھے کہ قبر کھودنے والوں کو ایک تھیلی ملی جس میں
دو سو روپے تھے، وہی روپے ان کے دفن پر صرف ہوئے۔

منجلا شہزادہ

(۲)

سُنا گیا ہے کہ بہادر شاہ بادشاہ دہلی شکار کے گوشت کا عرق چوس لیتے تھے اور ایک گھنٹے کے قیلولے کے بعد تازہ پانی سے استفراغ کر کے سارا کھایا پیا خارج فرما دیتے تھے۔ یہ آپ کا ہمیشہ کا دستور تھا۔

یہ عادت حضور بہادر شاہ کو اس وجہ سے پڑ گئی تھی کہ آپ کے فرزند شہزادہ مرزا کیومرث بہادر ولیعہد نے بدمصاحبی کی وجہ سے لالچ میں آکر شیر کی مونچھ کا بال[ا] پان میں رکھ کر کھلا دیا تھا اس طمع میں کہ اگر باپ کی موت واقع ہو جائے تو خود کو بادشاہی مل جائے گی، چنانچہ حضور بہادر شاہ کو ایک پرتکلف دعوت دی گئی۔ اور جب کمرہ دلکش راگوں سے گونج رہا تھا اور سامعین

[ا] اس کی ایک چھوٹی سی کرچی پان یا کسی خوردنی شے میں بہ حفاظت رکھ کر کھلا دیتے ہیں۔ وہ کرچی آنتوں میں داخل ہونے کے بعد سم قاتل ہوتی ہے۔ گذشتہ زمانہ میں دوست نما دشمنوں کا یہ حربہ تھا اسی لئے شیر کا شکار کرنے کے بعد اسکی مونچھ کے بال جلا دیا کرتے تھے تاکہ کوئی بہ نیت خصومت کسی کی جان کو نقصان نہ پہونچائے۔

محو تھے اس وقت بادشاہ کو ایک نہایت نفیس بیڑے میں
شیر کا بال دیا گیا۔

بہرحال جب آپ کی حالت غیر ہوئی تو حکماء وقت کی قے
آور ادویات استعمال کرانے سے ڈکلے کے ڈکلے خون کے نکلنے
لگے اور اتنے کہ کئی چلمچیاں بھر جاتی تھیں آخر کار اسی خون میں وہ
بال کی کرچی بھی نکل آئی جو کھلائی گئی تھی، تحقیقات ہوئی اور
کئی دن تک پکڑ دھکڑ رہی آخر کار معلوم ہوا اور ثابت ہوا کہ یہ
کام شاہزادہ کیومرث بہادر کا ہے، جب حضور بہادر شاہ کو اس
مرض الموت سے افاقہ ہوا تو آپ نے عین صحت یابی کی تقریب
میں شاہزادہ کیومرث کو طلب فرمایا اور اپنے پاس ایک پیالہ
مسموم شربت کا تیار کر رکھا۔

منجلا نوجوان فرزند سہما ہوا سر جھکائے حاضر ہوا آداب بجالایا
اور بحالت منتظر کھڑا رہا کہ حکم پدر کی تعمیل کرے۔ بادشاہ نے شربت
کا پیالہ ہاتھ میں لیکر بیٹے کیطرف اشارا کیا اور فرمایا "بیٹا جس طرح تم نے
مجھے شیر کا بال کھلایا اب اسکی مکافات بھرو! اور لو یہ زہر کا پیالہ ابھی پیو!"

مرزا کیومرث نے ہاتھ باندھ کر کچھ عرض کرنا چاہا تھا کہ باپ نے للکار کر
کہا" او موذی! کیا اب نا خلف بھی بننا چاہتا ہے"۔

مرزا کیومرث دست بستہ ادب گاہ پر آئے آداب بجا لائے اور بہت بہتر
جو حکم کہہ کر غٹ غٹ زہر کا پیالہ چڑھا گئے۔ اور تھوڑی دیر میں باپ کے سامنے گر کر ٹھنڈے ہو گئے۔

اکبر شاہ ثانی کی اولاد کا انجام

اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کے کئی فرزند تھے۔

تفصیل

(۱) مرزا ابن یا ابوظفر (۲) مرزا جہانگیر (۳) مرزا بابر (۴) مرزا سلیم (۵) مرزا بلند بخت (۶) مرزا جہاں خسرو (۷) مرزا قباد (۸) مرزا جہاں شاہ (۹) مرزا کاؤس شاہ (۱۰) مرزا شجاعت شاہ (۱۱) مرزا نظام شاہ۔

دختران

(۱) نواب مسعود الزمانی بیگم (۲) نواب قمر النساء بیگم (۳) نواب موتی بیگم (۴) نواب حسینی بیگم (۵) نواب لامیہ سلطان بیگم (۶) نواب سکینہ بیگم۔

ابوظفر عرف مرزا ابن

مرزا ابن ۲۸ شعبان سنہ ۱۱۹۹ھ کو لال قلعہ دہلی میں تولد ہوئے آپ کا پیدائشی نام ابوظفر رکھا گیا اور عرف مرزا ابن تھا۔

۷ رمضان المبارک سنہ ۱۲۲۱ ہجری کو جبکہ آپ کی عمر ۳۲ برس کی تھی ولیعہد ہوئے اور سٹین صاحب رزیڈنٹ نے خلعت ولیعہدی لایا۔

تخت نشینی

۲۸ جمادی الثانی سنہ ۱۲۵۳ھ کو جبکہ آپ کی عمر ۶۴ سال کی تھی سر جان تامس صاحب رزیڈنٹ دہلی نے تسبیح خانے کے تخت پر جو سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا تخت نشین کیا۔

تخت ہما اور دل جلا گورنر

بادشاہ نے سراج الدین بہادر شاہ ثانی کا لقب اختیار کیا اور ایک تخت گنگا جمنی ہشت پہل اپنے اجلاس کے لئے تیار کر کے اس کا نام تخت ہما رکھا۔

تخت ہما پر حضور بہادر شاہ بادشاہ نے صرف ایک بار اجلاس کیا اور اس کے بعد سرکار انگریزی سے تخت پر بیٹھنے کی ممانعت ہو گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لارڈ ایلن برا گورنر جنرل کو دربار میں کرسی نہیں ملی تھی۔ تو اس نے دل کا بخار یوں نکالا۔

ترکی تمام

۲۰ برس ساتھ ماہ سلطنت کی اور سنہ ۱۲۷۳ھ میں معزول ہوئے

جبکہ آپ کی عمر چوراسی (۸۴) برس کی تھی۔ اور ۱۲۷۵ھ میں رنگون بھیجے گئے جبکہ آپ کی عمر چھیاسی برس کی تھی تاریخ یہ ہے۔

کہا ہاتفِ غیب نے کان میں
سُنو ہو چکی آج ترکی تمام

عادات واطوار

آپ بھولے، خلیق، رحیم، ذی عقل وہوش اور دلیر تھے۔

بھولاپن

ہم آپ کو حضور بہادر شاہ بادشاہ کے ایک بھولے پن کا قصہ سُناتے ہیں۔ جب غدر کے بعد آپ قید کرکے دہلی میں رکھے گئے اور مقدمہ کی تحقیقات شروع ہوئی تو بعض عزیز واقارب جو گورنمنٹ سے بے خوف تھے بغرض سلام قید خانے میں حاضر ہوتے تھے آپ نے ایک عزیز سے کہا:۔

"ہاں ذرا بھائی الٰہی بخش سے کہنا کہ تم ہمیشہ حلوا سوہن کا گھان چڑھوا کر ہمارے پاس بھی حصّہ داخل کیا کرتے تھے کیا اب ہم کو بھول گئے"

یہ خبر شدہ شدہ مرزا صاحب کو پہونچی اُنھوں نے ہنس ہنس کر کمشنر دہلی سے تذکرۃً بیان کیا کہ قیدی بادشاہ نے یہ پیغام بھیجا ہے۔

سانڈرس صاحب نے حلوا سوہن روانہ کرنے کی اجازت دیدی۔ چنانچہ مرزا صاحب نے دس بارہ روپے کا حلوا سوہن بازار سے خرید کر روانہ کیا جسے بادشاہ نے بڑی خوشی سے نوش کیا۔

زمانہ شاہی اور گدائی کی غذا

زمانۂ شاہی میں آپ کی غذا زیادہ تر کباب اور گوشت بریاں کا عرق اور رنگترے وغیرہ تھے۔ جب سے مرزا کیومرث نے شیر کا بال کھلا دیا تھا معدہ میں قوت انہضام باقی نہ رہی تھی۔ اس لئے آپ صرف غذا کا عرق چوستے تھے اور ڈیڑھ گھنٹے بعد تھے کر دیتے تھے۔ حضور بہادر شاہ غذا پوری کھانے کے لئے ہمیشہ ترستے تھے۔ اگرچہ اس کا بہت علاج کیا۔ لیکن نہ ہوا۔ یہاں تک کہ غدر ہوگیا لیکن جب زمانہ نے پلٹا کھایا اور غدر کے بعد قید ہوئے تو آپ کو ہر قسم کی غذا ہضم ہونے لگی۔ جو کھانا گورنمنٹ کے باورچی خانے سے آپ کے سامنے رکھا جاتا تھا آپ بلا تامل کھا لیتے تھے۔ اور کوئی مضرت نہ پہونچتی تھی گو چند روز عادت نہ ہونے کی وجہ سے تکلیف ہوئی۔

صفات

بہادر شاہ بادشاہ کو تیر لگانے میں بھی عجیب ملکہ حاصل تھا۔

کہ اُستاد بھی حیران ہو کر دُعائیں دینے لگتے تھے۔ تیر انداز خان آپ کے تیر اندازی میں اُستاد تھے۔ آپ کی تیر اندازی کی مشق آخر زمانے تک رہی۔ دیوان عام کے سامنے ایک خاک تودہ بنوا رکھا تھا۔ آپ کا معمول تھا کہ روزانہ دیوان عام کے بالائی حصّے سے خاک کے تودے پر تیر لگاتے تھے۔ کمال یہ تھا کہ تیر تلیر کی اُڑان کی طرح بجائے خاک تودے کے سرے پر لگنے کے بیچ میں جا کر پیوست ہو جاتا تھا اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی نے اسی سطح پر کھڑے ہو کر تیر لگایا ہے جس پر خاک کا تودہ ہے۔

بندوق بازی

بندوق کا نشان نہایت لاجواب تھا کبھی خطا نہ ہوتا تھا اور کمال یہ تھا کہ نشان جس طرح ایک جگہ قائم چیز پر خطا نہ ہوتا تھا۔ اسی طرح متحرک پر بھی خطا نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ اُڑتے ہوئے پرندوں کو بھی بڑی آسانی سے شکار کر لیتے تھے۔

شکار اور طریقۂ شکار

سردی کے چار ماہ روزانہ تین بجے رات سے شیشے کی بند نالکی میں سوار ہو کر قلعے سے نکلتے تھے۔ پچاس ساٹھ قرول مشعلیں ساتھ لئے ہوئے تھے۔ جمنا کے کنارے ۴ یا ۵ میل نکل جاتے تھے۔

اور جہاں پہونچتی وہاں اُتر پڑتے اور نمازِ صبح سے فارغ ہوکر ہوا دار
میں سوار ہوکر شکار کھیلتے ہوئے صبح آٹھ یا نو بجے تک مراجعت فرماتے
یہ عمل زمانۂ قید تک رہا۔

طریقۂ شکار یہ تھا کہ آپ شکار کے لئے ہوادار سے کبھی نہ اُترتے
اور نہ کہیں ہوادار رُکتا تھا کہاروں کے قدم برابر یکساں پڑتے تھے۔
راستہ میں جو کوئی چرند یا پرند دو پر آجاتا وہ بہت کم بچ کر نکلتا تھا۔
قرول یعنی شکاریوں کا ایک پورا عملہ ملازم تھا۔ یہ لوگ شکار کو گھیر کر
حضور کے راستے پر روک لیتے تھے۔ اور سنتے ہیں کہ اُن قرولوں
میں علاوہ چرندوں کے پرندوں کو گھیر لینے اور راستے کے درختوں
پر بسیرا کرا دینے کا بھی ملکہ حاصل تھا اور بسا اوقات آبی پرندوں
کو بھی اسی ترکیب سے دریا کے کنارے گھیر لیا کرتے تھے۔

آپ اپنی حیات میں کبھی شکار سے خالی ہاتھ نہیں آئے۔
بلکہ ہمیشہ ایک بڑی مقدار شکار کی بہنگیوں، ٹوکروں اور بادشاہی
قلہاروں کے سروں پر آتی تھی۔

شکارگاہ

بہادر شاہ کی شکارگاہ دریائے جمنا کے دونوں کناروں
پر مقرر تھی۔ آپ سوائے اس مقام کے جو دہلی سے سات آٹھ
کوس تک تھی اور کہیں نہ جاتے تھے وجہ اس کی یہ تھی کہ بموجب

عہدنامہ آپ کو شہر دہلی اور مقررہ حدود شکارگاہ میں پھرنے کی اجازت انگریزی گورنمنٹ سے تھی اس کے سوا اگر آپ کہیں جانا چاہتے تھے تو رزیڈنٹ کی معیت ضروری تھی۔

دنیائے غم کا بادشاہ شاعر کی حیثیت سے

افسوس یہ چمن ہندوستان، قلب ہندوستان تباہ ہو گیا برباد ہو گیا۔ بلبلان چمن کو فرقت کے صدمے سہنے پڑے شمعیں شمع دانوں میں بجھ کر رہ گئیں۔ مگر لوگ یہ ضرور کہتے ہیں کہ اس جگہ شمع روشن تھی اور اسی شمع دان کے پاس پروانوں کے جمگھٹے لگے رہتے تھے۔ اگرچہ سحر کے جھونکوں سے ٹمٹماتی تھی مگر پھر بھی محبت کی ادائیں اور اپنے نام ونمود کا پاس وضع باقی تھا کہ شمع انہی آنسوؤں کو موتی بنا کے دکھاتی اور پروانوں پر لوٹ کے لئے بکھیر دیتی تھی۔ لیکن اب نہ شمع بزم ہے نہ خاک پروانہ۔ صرف افسانہ ہی افسانہ ہے۔ گو محمد حسین صاحب آزاد مرحوم نے داستان گوئی سے کام لیا ہے لیکن ہم اُنہیں معاف کرتے ہیں۔ بیشک اُستاد ذوق کے کلام میں اُستادانہ صفائی ہے لیکن وہ زبان اور وہ درد کہاں نصیب ہے

گُل بھلا کچھ تو بہاریں اے صباد کھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

اور ایک شعر لکھتا ہوں ؎

ظفرؔ آدمی اس کو نہ جانیے گا وہ ہو کیسا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

اور یہ مثلث بھی اُن کا قابل دید ہے ؎

یا تو افسر مرا شاہانہ بنایا ہوتا
یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا

اور چند شعر ذیل میں درج کرتا ہوں میں ان کی شاعری پر تفصیل سے لکھتا مگر میرا یہ موضوع نہیں ہے۔ اس لئے اتنا ہی بس ہے ؎

کبھی بن سنور کے جو آ گئے تو بہارِ حسن دکھا گئے
میرے دل کو داغ لگا گئے یہ نیا شگوفہ کھلا گئے
یہ دعا ہے دل کی نہ آئے دل کبھی بیوفا نہ کہیں کے دل
وہ جو سمجھتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے
(ظفرؔ)

چراغ دہلی بجھ گیا

چھ برس معزول ہو کر زندہ رہے۔ چنانچہ ۹۲ برس کی عمر جمعہ کے دن ۱۴ جمادی الثانی سنہ ۱۲۷۹ھ کو سلطنت مغلیہ کا آخری تاجدار ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔ اس کی بدنصیب موت پر زمین و آسمان خون کے آنسو روتے تھے اور عبرت سے تھراتے

تھے سوائے سخت دل ہندوستانیوں کے چنانچہ رنگون میں فوت
ہوئے۔ تاریخ یہ ہے ؎

سراج دین ابوظفر مسافر وہ سوئے جنت ہوا روانہ
کہ جس کے باعث سے خوشی سے چھلک اٹھا ایاغ دہلی
چراغ دہلی جلوس کا سال ہے سواب بھی مطابق اسکے
سروش غیبی نے سال رحلت کہا بجھا ہے چراغ دہلی
۱۲۷۹ھ

مرزا جہانگیر

عادات واطوار شہزادہ مرزا جہانگیر نہایت دلیر قوی ہیکل نوجوان تھے۔ صبح وشام ہر وقت نشہ شراب میں مخمور رہتے تھے۔ مزاج میں طنطنہ اور سپاہیانہ اکھڑ پنا بہت تھا۔ یہاں تک کہ ان کی بدمزاجی اور جرأت ودلاوری سے انگریز بھی کانپتے تھے۔ نیزہ بازی، نشانہ اندازی، چوگان بازی اور گھوڑے کی سواری میں کمال حاصل تھا۔ کئی بار گھوڑ دوڑ میں انگریزوں سے شرطیں جیت لیں۔ کئی بار انگریزوں سے گڑھے پھلانگنے کی شرط بدی اور جیت لی۔

بسا اوقات انگریزوں کے ساتھ سوار ہو کر نکلتے اور راستے میں بڑی بڑی خندقیں اور کھائیاں پھاند جاتے۔ صاحبان انگریز شہزادے کے اس کروفر کو دیکھ کر دنگ رہ جاتے اور ہمیشہ ان کی

نقل و حرکت سے خبردار رہتے ۔ اس خوف سے کہ کہیں شہزادہ زور پکڑ کر کسی ملک کا مالک نہ بن جائے ۔

جنگ

مرزا جہانگیر نے اس وقت کے صاحبان انگریز کے مختلف نام بطور تفنن و تضحیک رکھے تھے ۔ چنانچہ مسٹر سٹین ریذیڈنٹ کو وہ لُو لُو کہا کرتے تھے ۔ ایک دن دربار عام میں شہزادہ بحالتِ مستی و بے حجابی حاضر ہوا اور سٹین کو لُو لُو کر کے خطاب کیا ۔ یہ بات سٹین کو بہت زبوں معلوم ہوئی ۔ اور ناراض ہو کر دربار سے چلا گیا ۔ سٹین اس وقت ریذیڈنٹ اور ناظم شہر تھا ۔ اس لئے اپنے مقام پر پہنچکر گورہ فوج تیار کی اور آ کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا ۔ لیکن اب اسے یہ فکر ہوئی کہ میں نے اتنی بڑی جرأت کس کے حکم سے کی ہے ۔ اور میں اس فعل کا کہاں تک مجاز ہوں ۔

یہ غور کر کے اُس نے فوج محاصر کو حملہ کرنے کا حکم نہ دیا ۔ اور کہا کہ توپوں کے دہانے صرف قلعہ کی طرف کر کے مستعد رہو ، اگر میں حکم دوں تو فیر کرنا ۔

یہاں شہزادہ مرزا جہانگیر کی فوج بھی تیار ہوئی ۔ اور قلعہ کی فصیل اور دروازوں کے سامنے آ ڈٹی ۔ پہلے گولی مرزا جہانگیر نے چلائی اور پھر دونوں طرف سے ترکی بہ ترکی جواب ہونے لگے ۔

تھوڑی دیر میں کشتوں کے پشتے لگ گئے - آخر کار مرزا جہانگیر
کی فوج کو شکست ہوئی اور انگریزوں کی فوج قلعہ میں گھس گئی۔ یہاں
بھی دست بدست گھمسان کی ایسی جنگ ہوئی کہ خون کے پرنالے بہہ
گئے لیکن فوج کے پاؤں اُکھڑ چکے تھے - اکیلا شہزادہ کیا کرتا - آخرکار
محل میں پناہ لی - پھر بادشاہ نے صلح کا پیغام سٹین کے پاس بھیجا -
اُس نے قبول کیا اس شرط پر کہ شہزادہ مرزا جہانگیر کو گورنمنٹ کے
حوالہ کیا جائے - اور آیندہ سے قلعہ کے چاروں دروازوں پر گوروں
کا پہرہ رہے - آخر کار بادشاہ کو مجبور ہونا پڑا - اور نہایت ہی غم و
اندوہ کے ساتھ بادشاہ نے مرزا جہانگیر کو محل میں سے طلب کیا -
دلاور شہزادہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح دست بقبضۂ شمشیر دربار شاہ
میں حاضر ہوا - اس وقت سٹین اور متعدد اعلیٰ انگریز دربار میں حاضر
تھے - سب نے شہزادے کے سامنے سر جھکا دیا - اور آداب بجالا کر
دست بستہ کھڑے ہو گئے -

بادشاہ نے سٹین سے شہزادہ کا ملاپ کرا دیا - لیکن سٹین
نے یہ عرض کی کہ شہزادے نے خلاف معاہدہ جرأت کی ہے ابھی
یہ نوجوان ہیں انہیں تعلیم کی ضرورت ہے - لہٰذا حضور ان کو حکم دیں
کہ یہ آیندہ الہ آباد میں رہیں، وہاں کی حکومت کریں - بادشاہ نے
آبدیدہ ہو کر فرزند کو رخصت کیا - مرزا جہانگیر بڑے جاہ و حشم سے
الہ آباد پہونچے اور وہیں قلعہ میں رہے - درمیان میں ایک بار دہلی

قدم بوسی کو آئے دوبارہ آنا نصیب نہ ہوا۔ دہلی سے جاکر الہ آباد میں
بیمار ہوئے اسی میں انتقال کیا۔

انتقال

اُن کا انتقال ہوگیا اور الہ آباد میں مدفون ہوئے۔

بادشاہ پر بیٹے کے مرنے کا بیحد صدمہ ہوا تھا۔ تکلم و کلام کم
کردیا اور آخر کار ۱۲۵۲ھ میں اسی غم میں بمرض اسہال رواشہ ملک
عدم ہوئے۔

شہزادہ مرزا بابر

یہ نہایت وجیہہ اور قوی ہیکل تھے۔ ہر وقت شراب میں
مست رہتے تھے۔ اور خدمت نظارت اِن کے سپرد تھی۔ باپ
کے سامنے انتقال کیا۔

شہزادہ مرزا سلیم

یہ نہایت عالم فاضل متقی پرہیزگار اور نیک مزاج تھے۔
حضرت اکبر شاہ ثانی سب فرزندوں میں ان کو زیادہ چاہتے تھے۔
اور انہیں کو ولیعہد بنانا چاہتے تھے۔ چنانچہ کئی بار گورنمنٹ سے
خط وکتابت اور بذریعہ رزیڈنٹ اپنا منشا ظاہر کیا۔ لیکن ان کا

بھی انتقال باپ کے سامنے ہو گیا۔ علاقۂ وزارت ان کے پاس تھا اور بادشاہ کے مختارِ عام تھے۔

بلند بخت و کیقباد

یہ دونوں شہزادے بھی بادشاہ کے سامنے انتقال کر گئے۔

مرزا جہاں شاہ

آپ اکبر شاہ ثانی کے بعد اور غدر سے پہلے انتقال کر گئے۔

مرزا جہاں خسرو

جب دہلی میں غدر پڑا تو شہزادہ بکمال ہراس قلعہ سے نکل کھڑا ہوا اور پھر خبر نہ ملی کہ کیا ہوا زمین کھا گئی یا آسمان۔

مرزا کاؤس شاہ و شجاعت شاہ

ان دونوں شہزادگان کو غدر میں پھانسی دی گئی۔

مرزا نظام شاہ

یہ غدر میں گرفتار ہو کر دائم الحبس ہوئے اور جزیرۂ سولین کو بھیجے گئے۔ دیکھ اور سن لیا آپ نے اکبر شاہ ثانی کی اولاد کا انجام۔

دلّی کا باکمال گویّا

اس سے پہلے کہ تانرس خان کے حالات بیان کروں بہتر ہے کہ ان واقعات میں جو بیان کئے گئے ہیں کتنی واقعیت ہے اور اس کے واقعہ ہونے کے ثبوت کیا ہیں، بیان کردوں۔

یہ حالات جو بیان کئے گئے ہیں، خاندانی بزرگوں اور اُن شہزادوں سے منقول ہیں جو زمانۂ غدر میں بیاہے تیاہے تھے۔ اسلئے ان واقعات کے صحیح ہونے میں ذرا بھی شبہ نہیں۔

تانرس خاں

نام قطب بخش تھا اور شاہ عالم ثانی کے انتقال کے وقت اس کی عمر پانچ سال کی تھی۔ یہ بہت ذہین اور خوش قسمت تھا۔ چند ہی دنوں میں اپنے فنِ آبائی میں معقول ترقی کی۔

قطب بخش اُن گویّوں کی نسل سے تھا جو محمد شاہ بادشاہ کے دربار میں بہت بڑھے چڑھے تھے۔

جب قطب بخش کی اُستادی کی شہرت ہوئی تو بہادر شاہ بادشاہ دہلی کے دربار میں پیش ہوا۔ اس زمانے میں ملازمین شاہی کا

کی تنخواہیں تو بہت کم ہوتی تھیں لیکن انعام و اکرام بہت ملتا تھا۔

گو اس کی تنخواہ بھی بہت کم تھی، لیکن میوے اور یخنی کا خرچ دربار شاہی سے بطور یومیہ عطا ہوتا تھا۔ یخنی نے تانرس خاں کے گلے کو لوچدار بنانے میں بہت مدد دی۔ کیونکہ گوشت کی یخنی[1] اور طاقت بخش میوے گلے کے پٹھوں کو مضبوط اور لچکدار بناتے ہیں۔

بہرحال قطب بخش نے گانے میں بہت ترقی حاصل کی۔ اور تانرس خاں کا خطاب حاصل کیا۔

تانرس خاں بہادر شاہ بادشاہ کی گائنوں کو تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ پیاری بائی۔ چندر بائی۔ مصاحب بائی۔ سلطان بائی وغیرہ

---

[1] یخنی کا ذکر یہاں اس وجہ سے ہے کہ بہادر شاہ بادشاہ کو یخنی پینے کی عادت تھی اور یہ اس وجہ سے پڑ گئی تھی کہ آپ کے فرزند مرزا کیومرث بہادر ولیعہد نے بد مصاحبی کی وجہ سے لالچ میں آکر شیر کی مونچھ کا بال کھلا دیا تھا۔ اس طمع میں کہ اگر باپ کی موت واقع ہو جائے تو خود کو بادشاہی مل جائے گی۔ بہرحال جب آپ کی حالت غیر ہوئی تو حکما نے وقت کی قے آور ادویات سے ڈکلے کے ڈکلے خون کے نکلنے لگے اور آنتے کی جھلیاں کٹ جاتی تھیں۔ آخر کار وہ کرچی نکل آئی۔ اسی وجہ سے بہادر شاہ کے معدے میں قوت ہضم نہ رہی تھی۔ چنانچہ تین سیر کے گوشت کی یخنی پیتے تھے اور ایک گھنٹہ کے بعد استفراغ کر دیتے تھے۔ چونکہ خود بھی یخنی پیتے تھے اسلئے ملازمین کو بھی اس کے لئے خرچ عطا ہوتا تھا۔

کُل تعداد میں اٹھارہ تھیں اور ہر ایک اُن میں سے لاجواب گانے والی تھی۔

شکاری کتے

اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں قلعے میں دیوانِ عام کے پیچھے زنانہ محل واقع تھا جس کو بیٹھک کہتے تھے۔ اس کے قریب ایک بڑا حوض تھا جس پر سنگِ سُرخ کا قدِ آدم کٹہرا لگا ہوا تھا۔

حوض[1] کے ایک طرف کوٹھے[2] اور دوسری طرف مرزا بابر فرزند اکبر شاہ ثانی کی خوبصورت کوٹھی بنی ہوئی تھی۔ اور وہاں سے ذرا ہٹ کر حضرت ابوظفر ولیعہد بہادر کا محل تھا۔ وہاں تانرس خاں بیٹھے گانے والیوں کو تعلیم دے رہے تھے۔ جب تعلیم ختم کر چکے تو چلنے کا ارادہ کیا، دریچے میں سے دیکھا کہ شاہزادہ آفاق مرزا بابر بہادر حوض پر کھڑے ہیں۔ اور دو بڑے کتے خوبصورت شکل اور قد قامت میں مثل شیر کے ہیں ساتھ ہیں۔

---

[1] یہ حوض محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں نواڑا گلاب اور کیوڑے سے بھرا جاتا تھا۔ یہ حوض بہت بڑا اور پُرکیفیت مقام تھا [2] ان کوٹھوں میں محمد شاہ بادشاہ کے زمانے میں ہرنی بکریاں رہتی تھیں۔ محمد شاہ نے اکبر کھالی تھی اور ان کوٹھوں میں بہت سی بازاری عورتیں بھر رکھی تھیں۔ انہی عورتوں کو ہرنی بکریاں کہتے تھے۔

تاترس خان کتوں کے خوف سے بڑی دیر تک باہر نہ نکلے لیکن جب بہت دیر ہو گئی تو مجبوراً محل سے باہر آئے اور اس زمانے کے قاعدے کے مطابق منہ پر کپڑا ڈال کر مرزا بابر بہادر سے چھپ کر نکلے مگر صاحب عالم عالمیان کی نگاہ پڑ گئی اور للکار کر کہا:-

"کیوں بے تیئوا"

اُنہوں نے فوراً عرض کیا" غریب پرور"

صاحب عالم نے فرمایا "کیوں صاحب! اب تو تم الگ الگ جانے لگے"

اُنہوں نے عرض کیا" حضور! فدوی کی کیا مجال' خانہ زاد نے دیکھا نہیں تھا"

فرمایا "ہاں! اچھا!"

یہ کہہ کر ایک کتے کو چھچکارا اور دوسرے کو بھی للکارا۔ بس کیا تھا گویا کتوں کے بدن میں بجلی کوند گئی۔ نہایت اضطراب کے ساتھ اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ کتے آدمی کی باؤلی کھائے ہوئے نہ تھے ورنہ اس دن موت تو آنکھوں میں پھر ہی گئی تھی۔ آخر کار تاترس خان نے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی جب جا کر کہیں چھٹکارا ملا اور فرمایا:-

" اچھا جاؤ آئندہ خیال رکھنا"

قلعے سے نکالا

جب تاترس خان کا رسوخ بڑھ گیا اور بادشاہ میں زیادہ

لے یعنی منہ کو خون لگا ہوا نہ تھا یا ابھی شکار پر چھوڑے نہ گئے تھے۔

پیش ہونے لگے تو گردش کا زمانہ آیا یعنی ایک گائن سے جس کا نام پیاری بائی تھا تعلقات ہو گئے۔ آخر کار بھانڈا پھوٹ گیا اور قلعے سے نکالا ملا۔ تانرس خان بہت پریشان ہوئے۔ کیونکہ قلعہ سے نکالے ہوئے آدمی کو کون منہ لگاتا۔ ہر ایک امیر نے آنکھیں پھیر لیں اور لوگوں کی نظروں میں اُن کی عزت نہ رہی۔

قدرِ کمال

اب تانرس خان اپنی قسمت پر شاکر ہو کر بیٹھ گئے تھے بہت افسردہ تھے کہ حکم شاہی آیا:-

"خطاب، تنخواہ و معاش بدستور بحال و جاری ہے لیکن آئندہ کے لئے دربار بند اور قلعہ میں آنے کی اجازت نہیں"

یہ بہادر شاہ بادشاہ نے از راہ قدرِ کمال کیا کہ تنخواہ اور خطاب کو بحال رکھا اور شہر میں رہنے کی اجازت دی۔

ان اٹھارہ گائنوں کو بھی بادشاہ نے نکال دیا اور وہ مختلف شہزادوں کی سرکاروں میں نوکر ہو گئیں۔

غدر

جب سلطنت دہلی برباد ہوئی تو تانرس خان نے ریاست الور، جے پور اور جودھ پور میں ملازمتیں کیں۔ اور ہزاروں روپے

کے انعام واکرام بھی پائے ۔حیدرآباد دکن کی شاہانہ داد و دہش کا شہرہ سُنکر حیدرآباد آئے ۔ اور اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خان مرحوم و مغفور کی ملازمت اختیار کرکے بہت عروج حاصل کیا۔ تانرس خاں کے دو فرزند تھے۔ غلام غوث خاں[1] ۔ امراؤ خاں[2] ۔

حاضر جوابی

ایک دن تانرس خاں نواب میر محبوب علی خاں کے حضور میں حاضر تھے ۔ اعلیٰ حضرت ایک پلنگڑی پر لیٹے ہوئے تھے ، اور تانرس خاں یہ ٹھمری گا رہے تھے ۔

"رات بالم تم ہم سے لڑے تھے"

راگ پورے جوبن پر تھا اور بڈھے تانرس خاں کی آواز اپنے استادانہ کمالات کے جوہر دکھاتی ہوئی دل میں اُتر رہی تھی، در و دیوار سے اسی ٹھمری کی آواز بازگشت سُنائی دیتی تھی۔ ایسا سماں بندھا کہ حضور بے تاب ہو گئے اور فرمایا:۔

"واہ تانرس خاں واہ"

اس فقرے کے سُنتے ہی تانرس خاں لپک کر قریب پہنچا اور چٹ چٹ بلائیں لے لیں ۔ یہ حرکت حضور کو بہت بُری معلوم ہوئی ۔ آپ نے گرم نگاہوں سے تانرس خاں کو دیکھا اور مڑ کر حاضرین کی طرف بھی نگاہ ڈالی ۔ سب لوگ سناٹے میں آ گئے اور انتظار کرنے

لگے کہ دیکھو اب کیا ہوتا ہے۔ بڈھا تانرس خاں گرم و سرد روزگار اور امیروں اور بادشاہوں کے مزاج سے واقف تھا فوراً بھانپ لیا کہ کیا معاملہ ہے اور جب قریب تھا کہ خرابی اور بے عزتی کے ساتھ نکالا جائے، حواس کو جمع کر کے کہا :-

قربان جاؤں! مدت سے آرزو تھی کہ کسی مسلمان بادشاہ کی بلائیں لوں، ان ہاتھوں نے یا تو حضور بہادر شاہ بادشاہ کی بلائیں لیں یا آج آپ کی"

یہ سنکر میر محبوب علی خاں بہادر مرحوم مسکرا دیئے اور بات رفع دفع ہوگئی۔

انتقال

تانرس خاں کا انتقال حیدرآباد میں ہوا اور شاہ خاموش صاحب کی درگاہ کے قرب وجوار میں دفن ہوئے ۔۔ اس طرح دلی کے بہترین اور مشہور گویئے کا انجام ہوا۔ انتقال کے بعد اُن کی اولاد نے چاہا کہ لاش کو چند روز کے لئے حیدرآباد سُپردِ خاک کر کے پھر دلی لے جائیں۔ لیکن اعلیٰ حضرت میر محبوب علی خاں بہادر نے انکے فرزندوں کو بلوایا اور فرمایا :-

" کیا خدا وہیں ہے یہاں نہیں ہے"

اس تہدید کی بنا پر تانرس خاں ہمیشہ کے لئے حیدرآباد دکن

کی سرزمین میں آرام گزیں ہو گئے۔ دلّی (قلب ہندوستان) کا آفتاب حیدرآباد میں غروب ہو گیا۔ لیکن اپنی آتشیں کرنوں کا نشان آسمان کمال پر چھوڑ گیا۔

مرزا الٰہی بخش

سلسلہ نسب مرزا ہدایت افزا عرف مرزا الٰہی بخش ابن مرزا محمد شجاعت افزا ابن مرزا عزت افزا بہادر ابن شہزادہ ہمایوں بخت بہادر ابن مرشد زادہ آفاق شاہزادہ عظیم الشان فرمانروائے بنگالہ ابن حضرت خلد منزل ابو المظفر قطب الدین محمد معظم شاہ الملقب بہ شاہ عالم بہادر شاہ اوّل۔

شاہزادہ عظیم الشان

محمد معظم شاہ الملقب بہ شاہ عالم بہادر شاہ اول کے چار بیٹے تھے۔ منجملہ ان کے بڑے بیٹے معز الدین جہاندار شاہ بادشاہ ہوئے شاہزادہ عظیم الشان جو بنگالے میں اپنے دادا حضرت محی الدین اورنگ زیب کے وقت سے حکومت کر رہے تھے اور جن کا آباد کیا ہوا ایک مشہور شہر عظیم آباد پٹنہ عمدیہ بہار میں واقع ہے۔

امرائے جہاندار شاہ کی نگاہوں میں عظیم الشان کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ اس لئے انہوں نے بادشاہ سے بگاڑ

کردیا اور یہاں تک نوبت پہونچی کہ دریائے راوی کے کنارے دونوں بھائیوں میں صف آرائی ہوئی۔

شاہزادہ عظیم الشان کے ہاتھی کے خرطوم میں معز الدین جہاندار شاہ کی فوج کا گولہ لگا۔ ہاتھی عظیم الشان کو لے کر بھاگا اور مع عظیم الشان کے غرق ہوگیا۔

فرخ سیر ابن عظیم الشان

فرخ سیر ابن عظیم الشان اس وقت عظیم آباد پٹنہ میں تھے جبکہ معز الدین جہاندار شاہ بادشاہ دہلی نے سید عبداللہ خان و سید حسین علی خاں سادات بارہہ کے نام حکم صادر کیا کہ فرخ سیر کو مع محلات و مخدرات عظیم الشان حاضر کرو۔

فرخ سیر اور اس کی عقیلہ ماں نے سیدوں کو ایسا خیر خواہ اور تابعدار بنایا کہ اُن کو بادشاہ سے منحرف ہوکر فرخ سیر کا ساتھ دینا پڑا اور انہیں سیدوں کی کارگزاری سے فرخ سیر جہاں پر فتحیاب ہوکر تمام ہندوستان کے بادشاہ ہوئے۔

فرخ سیر کی اولاد

فرخ سیر کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی۔ صرف ایک بیٹی تھی جبکی

شادی محمد شاہ بادشاہ سے ہوئی۔

فرخ سیر کا بھائی

فرخ سیر کے صرف ایک بھائی شاہزادہ مرزا ہمایوں بخت نابینا تھے۔ ان کے بیٹے شاہزادہ عزت افزا بہادر کی شادی نواب عمدۃ الزمانی خیر النسا عرف منجھلی بیگم دختر عالمگیر ثانی سے ہوئی۔

نواب عمدۃ الزمانی خیر النسا بیگم نہایت صاحب ہمت اور عقیلہ تھیں، جب ان کے والد شاہنشاہ عالمگیر ثانی کو شہید کر دیا گیا تو باوجودیکہ عمدۃ الملک نواب غازی الدین خاں وزیر اعظم نے بہت غلبہ کر رکھا تھا اور امرائے سلطنت میں سخت اختلافات بپا تھے بیگم موصوفہ نے نہایت جرأت کے ساتھ اپنے بھتیجے شہزادہ جہاندار شاہ عرف مرزا جوان بخت قائم مقام شاہنشاہ بنا کر اپنے بھائی حضرت شاہ عالم کے آنے تک سلطنت کے رعب و داب کو سنبھالے رکھا اور خود احکام سلطنت جاری کرتی رہیں۔

شاہ عالم نے اپنے بادشاہ ہونے کے بعد علاوہ تنخواہ و

لہ ان کی اولاد اب تک اعزاز سابقہ کے ساتھ بنارس میں موجود ہے۔

جاگیرات ومواضعات سانپلہ وآسودہ وچولہ وکرانا وغیرہ کے بیگم کا باغ جو چاندنی چوک میں واقع ہے اور کوئینز گارڈن کہلاتا ہے بیگم کو عطا کیا اور ہمیشہ ان کی عظمت کا خیال رکھا۔ جب اکبر شاہ ثانی بادشاہ دہلی کا انتقال ہوا تو ورثائے بیگم موصوفہ نے بسبب بدانتظامی اپنی رضامندی سے دیہات، جاگیر وغیرہ کو ملازمان سلطانی کے سپرد کر کے اپنے نام پانچہزار روپیہ سالانہ معاوضہ جاگیر مقرر کرا لیا اور ایک عہدنامہ بادشاہ وقت سے تحریر کرا لیا۔ ۱۸۴۲ء تک اہلکاران سلطان اس کی تعمیل کرتے رہے۔ اس کے بعد حسب منشائے گورنمنٹ تیول سلطانی رزیڈنٹ دہلی کے سپرد ہوئے اس کے ساتھ ہی یہ دیہات جاگیر بھی رزیڈنٹ کے زیرنگرانی آئے۔

عمدۃ الزمانی کی اولاد

مرزا شجاعت افزا اور مرزا کرامت افزا یہ دونوں مرزا عزت افزا کے بیٹے تھے اور عمدۃ الزمانی کے بطن سے ہوئے اور آمدنی معاوضہ جاگیر انہیں کی اولاد میں رہی۔

شجاعت افزا کی اولاد

مرزا شجاعت افزا کے چار فرزندوں میں سے ایک مرزا

ہدایت افزا عرف مرزا الٰہی بخش تھے اور معاوضہ جاگیر میں سے حصہ پاتے تھے۔

الٰہی بخش کی کارگذاریاں

اب میں ان کی بتدریج ترقی آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جو ان کو قلعہ معلی میں حاصل ہوئی ہے۔

الٰہی بخش کا عروج

اکبر شاہ ثانی کے زمانہ میں مرزا الٰہی بخش شاہزادہ مرزا بابر کے مختار تھے کیونکہ شہزادہ موصوف بادشاہ کے ناظر تھے۔

مرزا بابر کے انتقال کے بعد ان کے فرزند مرزا محمود شاہ بہادر ناظر ہوئے۔ الٰہی بخش وہاں بھی جا دھمکے، چھ ماہ کے بعد بادشاہ نے خدمت نظارت مرزا محمود شاہ سے لے کر اپنے ولیعہد کے فرزند مرزا دارا بخت بہادر کے حوالہ کی۔ اب مرزا الٰہی بخش مرزا دارا بخت کے ہاں پہونچ گئے۔ حضور اکبر شاہ ثانی کے انتقال کے بعد حضور بہادر شاہ بادشاہ ہوئے تو شہزادہ مرزا دارا بخت بہادر ولیعہد ہوئے اور خدمت نظارت و بخشی گری مرزا شاہ رخ بہادر فرزند

دوم کو سرفراز ہوئی۔ اب مرزا الٰہی بخش مرزا شاہ رخ بہادر کے
مختار اور مصاحبان خاص میں سے ہو گئے اور مرزا شاہ رخ بہادر
کے انتقال کے بعد مرزا فتح الملک بہادر ناظر محلات ہوئے تو یہ
ان کے مختار مقرر ہوئے اور جب مرزا فتح الملک ولی عہد ہوئے
تو اس وقت تک مرزا الٰہی بخش کا رسوخ انگریزوں اور محل شاہی
میں بادشاہ کے سمدھی ہونے کی وجہ سے بہت بڑھ گیا تھا۔ اب
وہ ایک طرف ولی عہد کے معاملات میں دخیل اور دوسری طرف
ممتاز محل اور بادشاہ کے رازدار تھے اور اہم مسائل میں انگریزوں
کو انہیں سے اکثر گفتگو کا موقع آتا تھا۔ بس یہاں سے مرزا
الٰہی بخش کا عروج شروع ہوا۔

سنہ ۱۸۵۲ء میں مرزا الٰہی بخش نے اپنے داماد شاہزادہ فتح الملک
بہادر سے معاوضۂ جاگیر کے متعلق ایک عہد نامہ لکھوایا اور انہیں
ولی عہد تسلیم کرا دیا۔ سنہ ۱۸۵۷ء تک پانچ ہزار روپیہ سالانہ بموجب
عہد نامہ خزانۂ عامرہ گورنمنٹ سے ملتا رہا جو غدر کے بعد خیر سگالی
اور خیر خواہی گورنمنٹ کی وجہ سے مرزا پر بحال رہا۔

شاہزادہ فتح الملک بہادر سے اپنی بیٹی حاتم زمانی بیگم کا
نکاح کر دینے کے بعد مرزا اپنی ذاتی ہوشیاری کی وجہ سے
محل شاہی میں بہت دخیل ہو گئے تھے۔ انگریزی حکام سے

بھی مراسم جاری ہو گئے تھے اور اکثر شاہی معاملات ان ہی کے ذریعہ طے ہوتے تھے۔ رفتہ رفتہ گورنمنٹ برطانیہ کے حکام ان پر بھروسہ کرنے لگے۔ اور ان کا اثر بڑھنے لگا۔ اسی عرصے میں بادشاہ کے بڑے فرزند مرزا دارا بخت بہادر کا انتقال ہو گیا حضرت بہادر شاہ بادشاہ اور نواب زینت محل کو مرزا جواں بخت کی ولی عہدی کی خواہش پیدا ہوئی اور ادھر شہزادہ فتح الملک بہادر نے اپنی ولی عہدی کی کوشش شروع کی۔ مرزا الٰہی بخش کی حقیقی ترقی کا یہی موقع تھا، انھوں نے نواب زینت محل اور بادشاہ سے بظاہر سازباز رکھی اور رزیڈنسی کے حکام اور دیگر انگریزوں کو بیش قیمت تحائف پہونچانے کا ذریعہ بنے رہے اور اندرونی طور پر اپنے داماد شہزادہ فتح الملک بہادر سے اپنے متعلق کچھ وعدے لے کر ان کی ولی عہدی کی بھی کوشش کرتے رہے۔

ان مسئلوں میں مرزا الٰہی بخش کو بہت کچھ ہاتھ آیا۔

جب مرزا فتح الملک بہادر ولی عہد دوم کا انتقال ہو گیا تو پھر مرزا کو انگریزوں پر اثر ڈالنے اور ہاتھ رنگنے کا موقع ملا یعنی مرزا قویش بہادر نے اپنی ولی عہدی کی کارروائی شروع کی اور رزیڈنٹ کے ذریعہ گورنمنٹ میں باقاعدہ تحریک کرا دی لیکن ملکہ دوران نواب زینت محل کو پھر اپنے فرزند مرزا جواں بخت کو ولی عہدی دلانیکا

خیال پیدا ہوا، اس معاملہ میں بادشاہ کو ہموار کیا گیا اور نامہ و پیام
خاص مرزا الٰہی بخش کے توسط سے آنے جانے لگے۔ لیکن چند ماہ
ہی گذرے تھے کہ سنہ ۵۷ء کی جنگ شروع ہوئی، چونکہ الٰہی بخش
کو قرابت داری کی وجہ سے محل شاہی میں بہت دخل ہو گیا تھا
اور قلعہ معلی کی راز کی باتیں جو انہیں مل جاتی تھیں اور کسی کو نہ
مل سکتی تھیں اسی وجہ سے مقامی انگریزوں نے مرزا کو بڑے
وعدوں کے ساتھ گورنمنٹ کا خیر خواہ بنایا چنانچہ الٰہی بخش نے
محاصرہ دہلی کے زمانے میں باغیوں کی کارروائی کی بڑی بڑی
خبریں حکام انگریزی کو پہاڑی پر پہونچائیں انہوں نے پچاس
عیسائیوں کے ایک گروہ کی جانیں بچانے میں بہت کوشش کی
جو آخر کار باغیوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔ مرزا مغل، مرزا
خضر سلطان اور مرزا ابوبکر بھی ان ہی کی کوشش سے ہڈسن کے
ہاتھ آئے۔ یہ انگریزوں کو فوجی کارروائیوں میں بہت مدد دیتے
رہے انہیں کی مدد اور مشورہ سے شہر کے مقابل دریائے جمنا
پر جو کشتیوں کا پل تھا اس کو توڑ دیا گیا اور مشرقی رخ سے
باغیوں کی رسد اور مدد کو روک دیا گیا۔ اور ان ہی کی کوشش
سے بہادر شاہ بادشاہ بآسانی تمام انگریزوں کے قبضے
میں آ گئے۔

الٰہی بخش بعد فتح دہلی

جب دلّی انگریزوں کے ہاتھ آئی تو خاندان شاہی دہلی کے جان و مال کو غیر محفوظ سمجھا گیا لیکن اس وقت گورنمنٹ نے مرزا الٰہی بخش کی حفاظت کے لئے اپنی فوج باقاعدہ میں سے دو سوار متعین کئے ان میں سے ایک کا نام نجو خاں اور دوسرے کا نام میران بخش تھا۔ یہ دونوں سوار خاتمہ جنگ کے بعد ملازمت سے مستعفی ہو کر تادم مرگ مرزا کی سرکار سے تنخواہ پاتے رہے۔
(منظفر نامہ صہ ۱۲۴)

سنہ ۵۷ء کی جنگ کے اختتام پر الٰہی بخش کے حالات کی تحقیقات کر کے خیر خواہی و کارگذاری کے صلہ میں وائسرائے اور گورنر جنرل کشور ہند کے دربار سے رؤسائے بے اختیار قسمت دہلی کے زمرے میں اول نمبر عنایت ہوا اور سابقہ پنشن جو کہ مرزائے موصوف اور ان کے خاندان کے افراد کو ملتی تھیں بادشاہ وقت سے اسے گورنمنٹ نے بحال رکھا۔ جس کی تعداد بائیس ہزار آٹھ سو تیس روپے سالانہ اعزاز سابقہ بدستور بحال رکھ کر خاندان شاہی کا سرپرست مقرر کیا گیا اور ہر قسم کے خاندانی معاملات انہیں کی

ذات سے وابستہ کئے گئے۔

۱۸۶۱ء میں اس سند کی رو سے جس کے ذریعہ سے مرزا الٰہی بخش کو بشراکت دیگر رشتہ داران ۱۸۵۷ء سے پہلے ضلع رہتک کے دیہات سانپلہ و آسودہ وغیرہ میں حق حاصل تھا گورنمنٹ آف انڈیا نے خاص مرزا کو ایک دوامی معاوضہ جاگیر پانچہزار روپیہ سالانہ عطا فرمایا۔

۱۸۶۴ء میں گورنمنٹ نے مرزا الٰہی بخش کی پنشن کی اجرائی نسلاً بعد نسل منظور کی۔ ۱۸۶۶ء میں جاگیرات وغیرہ کے دوام کی منظوری صادر ہوئی اور مواضع ارغوان پور، کنک پور، راٹپ اور شمس پور وغیرہ کے گذاشت کے احکام صادر ہوئے اور ان کو اور ان کی اولاد کو خاص خاص مواضع کی رقم مالگذاری معاف ہوئی۔

۱۸۶۲ء میں مرزا کو (۳۵۰۰) تین ہزار پانسو نقد گورنمنٹ سے قرض لینے کی اجازت ملی اور بعد ازاں گورنمنٹ نے اس رقم میں سے نصف سے زیادہ معاف کردی۔

۱۸۷۷ء میں ملکہ معظمہ نے جب "قیصر ہند" کا خطاب اختیار کیا تو مرزا کی خیرخواہی کا خیال کرتے ہوئے پچیس ہزار روپے نقد دیے اور پنشن میں کچھ سالانہ کا اضافہ کیا۔

جلاوطنی کے احکام

مرزا الٰہی بخش کو جلاوطنی کے احکام بھی دیئے گئے تھے چنانچہ لکھا گیا کہ " مرزا رنگون جانا تو پسند نہ کرینگے - کیونکہ وہاں سابق شہنشاہ ہیں اس لئے حسب ذیل شہروں میں سے کوئی پسند کریں (۱) پیگو (۲) کراچی (۳) ٹیسورم (Teausaram) (۴) مرتبان پروانس (Moulbam province) —

لیکن بعد میں مرزا کی سابقہ خدمات کو مدنظر رکھ کر ان کی سفارش کی گئی چنانچہ جلاوطنی کے احکام واپس لے گئے -

الٰہی بخش کی موت

۲۱ مارچ ۱۸۷۸ء کو مرزا الٰہی بخش کی موت واقع ہوئی جبکہ ان کی عمر بہتر برس کی تھی - اور مرزا جہانگیر کے مجر میں دفن کئے گئے - اس طرح سے اس قوم پرست کا انجام ہوا -

آجکل گورنمنٹ آف انڈیا کی طرف سے ان کے جانشین اور سرپرست خاندان نواب مرزا خیر الدین خورشید جاہ بہادر ہیں -

دھندلے نقوش جو بوسیدہ کاغذ پر موجود ہیں آنکھیں انہیں بھی

نہیں دیکھ سکتیں۔

قیام مدرسہ کی تجویز

انگریزی حکام کا یہ منشا تھا کہ قلعہ میں ایک مدرسہ قائم کرکے شاہزادوں کو تعلیم دی جائے اور بعد ازاں گورنمنٹ انگریزی میں ان کو معزز عہدے دیے جائیں۔ بادشاہ اس تجویز سے بدگمان ہو گئے اور بظاہر یہ جواب دیا کہ :—

"اب ہماری اولاد ایسی ہو گئی کہ نوکریاں کرکے گذارے یہ ہرگز نہیں ہوگا۔"

نذر عیدین

یہ دستور تھا کہ عید، بقرعید، نوروز اور سالگرہ کے موقعہ پر وائسرائے کشور ہند ایک سو ایک اشرفی حضور شاہ میں نذر گذرانتے تھے۔

جب تک سر جان تامس صاحب رزیڈنٹ بادشاہ کے وزیر اور اتالیق زندہ رہے انہوں نے بادشاہ پر کوئی آفت نہ آنے دی اور ہر وقت بادشاہ کی حفاظت و خیرخواہی کا دم بھرتے رہے بلکہ

بادشاہ کو اکثر آفتوں سے بچاتے رہے۔

ان کے انتقال کے بعد سائمن فریزر ریذیڈنٹ، امیر الامراء وزیر اعظم اور بادشاہ کے اتالیق مقرر ہوئے۔ یہ بہت عقلمند اور ہوشیار تھے اور سب کام انہی کی رائے پر ہونے لگے۔ چنانچہ انہیں کے زمانے میں قلعہ کے اہلکاروں اور کارپردازوں کی چالبازی اور خود غرضی کا بازار گرم ہوگیا۔

ولی عہد شاہ

پہلے تخت نشینی کے ساتھ ہی بہادر شاہ بادشاہ کے بڑے فرزند شاہزادہ مرزا محمد دارا بخت بہادر ولی عہد مقرر ہوئے تھے۔ آپ کے انتقال کے بعد اصولاً بادشاہ کے منجھلے فرزند شاہزادہ مرزا شاہ رخ ولیعہد ہوئے۔ لیکن چونکہ ان کا انتقال بڑے بھائی سے پہلے ہی ہوچکا تھا۔ اس لئے بادشاہ کے سنجھلے فرزند شہزادہ سلطان فتح الملک بہادر کی ولیعہدی کا زمانہ آیا۔ اس موقع پر نواب زینت محل نے جو بادشاہ کی بہت چاہتی بیوی اور اپنے وقت کی ملکہ تھیں۔ مقامی انگریز حکام سے سازش کرکے کوشش کی کہ اپنے فرزند مرزا جواں بخت کو خلعت ولیعہدی دلایا جائے۔ نواب زینت محل نے بادشاہ کو بھی راضی

کرلیا اور بادشاہ کو شہزادہ فتح الملک سے برافروختہ کر دیا۔ چونکہ مرزا جواں بخت بادشاہ کے چھوٹے فرزند تھے اور بہت چہیتے تھے اس لئے بادشاہ نے بھی مرزا جواں بخت کی ولی عہدی کی تحریک کی۔

شہزادہ فتح الملک کی ولیعہدی

لیکن چونکہ مرزا جواں بخت کا کوئی حق نہ تھا اس لئے جب سنہ ۱۸۴۴ء میں لارڈ ہارڈنگ وائسرائے کشور ہند ہوکر دہلی آئے اور یہ معاملہ ان کے روبرو پیش ہوا تو انہوں نے شہزادہ فتح الملک کو خلعت ولیعہدی دلا کر بادشاہ کا نائب بنایا اور جواں بخت بہادر کی سفارش نہ کی۔

ایک عہدنامہ

ایک اقرارنامہ بوقت تقرر ولی عہدی لارڈ ہارڈنگ نے شاہزادہ مرزا فتح الملک بہادر عرف مرزا فخرو سے لیا جس کو مرزا قمر الدین صاحب نے بروایت شاہزادہ مرزا خورشید عالم خلف شہزادہ فتح الملک بہادر اپنی کتاب میں نقل کیا ہے

لکھا ہے کہ اس اقرارنامے کی نقل مرزا خورشید عالم نے اپنی آنکھ سے دیکھی تھی - راقم حروف اس عبارت کو بجنسہ نقل کرتا ہے -

"بعد تخت نشینی حضرت بہادر شاہ بادشاہ کے خلعت ولیعہدی بڑے بیٹے شاہزادہ میران شاہ عرف مرزا محمد دارا بخت بہادر کو عطا ہوا اور نظارت کا کام دوسرے فرزند شاہزادہ شاہ رخ مرزا کو عطا ہوا - شاہزادہ شاہ رخ مرزا کا بقضائے الٰہی انتقال ہو گیا تو مرزا فتح الملک بہادر ولی عہدی کے مستحق ہوئے - اس موقع پر بہادر شاہ بادشاہ اور نواب زینت محل بیگم صاحبہ نے جو اپنے زمانہ کی ملکہ اور بادشاہ کی چاہیتی بیوی تھیں - اپنے بیٹے شہزادہ جواں بخت کو خلعت ولیعہدی دلانا چاہا اور اس باب میں بڑی کوشش کی -

مرزا جواں بخت حضرت بہادر شاہ کے چاہیتے اور سب سے چھوٹے بیٹے تھے - چونکہ چھوٹے بیٹے کا از روئے قواعد کوئی حق نہ تھا اس لئے حکام انگریزی اور نواب گورنر جنرل بہادر نے شاہزادہ جواں بخت بہادر کے واسطے ولیعہدی کی سفارش کر دی اور منظوری کونسل حضرت بہادر شاہ سے خلعت ولیعہدی مرزا فتح الملک بہادر کو دلایا -

شرائط

اول - بعد انتقال حضور بہادر شاہ بادشاہ کے قلعہ خالی

کر دینا ہوگا۔

دوم - تمام خاندان کو ساتھ لے کر قطب صاحب میں سکونت اختیار کرنی ہوگی۔

سوم - ایک کروڑ روپیہ بمعاوضۂ لال قلعہ اور ایک کروڑ روپیہ قطب صاحب میں تعمیر مکانات کے لئے دیئے جائیں گے وہاں اپنی مرضی کے مطابق مکانات بنانے کا اختیار رہے گا۔

چہارم - بموجب عہدنامہ سلطانی تین لاکھ روپے ماہوار کے حساب سے چھتیس لاکھ روپے سالانہ سرکار انگریزی سے ملتے جایا کریں گے۔

پنجم - انتظام کے لئے پانچ ہزار فوج رکھنے کی اجازت دی جائے گی۔

ششم - نواب گورنر جنرل بہادر اور نواب لفٹننٹ گورنر بہادر کو دربار میں کرسی دینی اور عظمت کرنی ہوگی۔

ہفتم - ہر موقع پر روسائے باختیار میں اول نمبر دیا جائے گا۔

شاہزادہ مرزا فتح الملک شاہ نے ان سب شرطوں کو قبول کر کے دستخط کر دیئے تھے۔

مصنف کی دوسری زیرِ طبع کتابیں

خورشیدِ خاور } جناب عرش تیموری کی تمام رنگین اور دلکش نظموں کا مجموعہ ہے جس کا ہر شعر شعلہ بار، کیف پرور اور رگ رگ میں زندگی کی لہر دوڑانے والا ہے۔

خطوط } اصلاحی اور معاشرتی خطوط ہیں طرز نگارش بالکل جدید اور مضامین اچھوتے ہیں، عورت کی فطرت پر پوری طرح روشنی ڈالی گئی ہے آپ اسے ایک بار مطالعہ شروع کر کے ختم کر لیں گے اور پھر بار بار پڑھنے کے لئے مجبور ہو جائیں گے۔

جواہر } اس رنگین مجموعہ میں اُردو گو شعرا کے بدیہہ اور حاضر جوابیاں جمع کی گئی ہیں یہ جواہرات یقیناً آپ کے کتب خانے کی زینت ثابت ہونگے۔

نغمۂ روح کے ایک ایک شعر میں ہے وہ بعض حضرات کے ضخیم دیوانوں میں بھی نہیں ، ہر شعر درد کی ایک لہر بن کر دل و دماغ کو سوز و گداز کی کیفیت میں غرق کرتا ہوا روح کی آخری گہرائیوں تک میں اُتر جاتا ہے اور انسان خود کو ایک ایسے عالم میں پاتا ہے جس کی فضاؤں میں روحانی مسرتوں کی کیفیتیں تیرتی ہوتی ہیں۔ اختر صاحب کی تصویر بھی کتاب کی زینت ہے۔ قیمت فی جلد ایک روپیہ